ISSN: 2411-0949

شش ماہی

شاہد

انٹرنیشنل

سیرتِ طیبہ پر تحقیقی مجلہ

جلد نمبر: ۱۰ شمارہ نمبر: ۱۹
جنوری تا جون ۲۰۲۴ء

مؤسس مدیر:
پروفیسر ڈاکٹر دلاور خان

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان

ISSN DRJI Cosmos DOAJ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا

ششماہی شاہد انٹرنیشنل

سیرت النبی ﷺ پر تحقیقی مجلہ

شمارہ نمبر ۱۹، جنوری تا جون ۲۰۲۴ء، جلد نمبر ۱۰

سرپرست اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالجبار قریشی

سابق چیئرمین: شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

مؤسس و مدیر:

پروفیسر دلاور خان

پرنسپل، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ایجوکیشن سٹی ملیر کراچی

معاون مدیر:

ڈاکٹر فیاض شاہین

لیکچرار، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی

زرتعاون فی شمارہ= /300روپے

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن

پتہ: C -327/3، بلاک نمبر ا، گلستانِ جوہر، کراچی۔

موبائل نمبر: 0322-2413267، ای میل: shahidrf322@gmail.com

قومی مجلس مشاورت

☆ پروفیسر ڈاکٹر سلیم مظہر

پرو وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں شمس عباس

شعبہ عربی و علومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

صدرِ شعبہ تاریخ اسلام، جامعہ کراچی

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

ہائی ٹیک یونیورسٹی، اسلام آباد

☆ پروفیسر ڈاکٹر حسن امام

صدرِ شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمود عالم آسی

وزٹینگ فیکلٹی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، کراچی ریجن

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل بدایونی

سپر یئر کالج شاہ فیصل کالونی، کراچی

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، منہاج یونیورسٹی

☆ پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس

صدرِ شعبہ اردو، جامعہ کراچی

☆ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

☆ پروفیسر ڈاکٹر مجیب احمد

انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران

گورنمنٹ ڈگری کالج گلشن اقبال، کراچی

☆ ڈاکٹر محمد مہربان باروی شامی

وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

☆ ڈاکٹر سید عطاء اللہ شاہ بخاری

لیکچرار شہید ذوالفقار علی بھٹو یونیورسٹی آف لاء، کراچی

بین الاقوامی مجلس مشاورت

☆ ڈاکٹر احمد (مدینہ منورہ)

☆ ڈاکٹر خلیل طوقار (ترکی)

☆ ڈاکٹر رضوان فضل الرحمٰن (طیّبہ یونیورسٹی، مدینہ)

☆ پروفیسر ڈاکٹر کوثر مصطفٰی (بنگلہ دیش)

☆ پروفیسر ڈاکٹر غلام زرقانی (امریکا)

☆ ڈاکٹر نرگس جابری نسب (ایران)

☆ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (ایران)

☆ ڈاکٹر شیخ سیلم علوان الحسینی (آسٹریلیا)

☆ پروفیسر ڈاکٹر علیم اشرف جائسی (انڈیا)

☆ محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی (امریکا)

محترم مقالہ نگاران سے گذارشات

(۱)۔ مقالات سیرت طیبہ کی مختلف جہتوں کے حامل ہوں۔

(۲)۔ مقالے کا اسلوب نگارش تحقیقی ہو۔

(۳)۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

(۴)۔ مقالہ عملی اور اطلاقی پہلو کا حامل ہو۔

(۵)۔ مقالات اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں تحریر کیے جاسکتے ہیں۔

(۶)۔ مقالات A4 سائز پر "ایم ایس ورڈ" پر کمپوز کرا کے ای میل کے ذریعے ارسال کیے جائیں۔

(۷)۔ مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اس کی تلخیص ضرور شامل کی جائے۔

(۸)۔ وہی مقالات شاملِ اشاعت ہوں گے جن کی پروف ریڈنگ کرائی گئی ہو۔

(۹)۔ حوالہ، حواشی اور کتابیات مروجہ معیاری طریقہ پر تحریر کی جائیں۔

(۱۰)۔ مقالے کی اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا جائے۔

(۱۱)۔ کسی بھی مقالے کی اشاعت کے لیے ادارے کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے۔

(۱۲)۔ ناقابل اشاعت مقالات واپس ارسال نہیں کیے جائیں گے۔

(۱۳)۔ اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلے کے دو اعزازی نسخے روانہ کیے جائیں گے۔

(۱۴)۔ سیرت پر مشتمل کتب پر تبصرے کے لیے ادارے کو کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں۔

نوٹ: شائع شدہ مقالات کے صحتِ متن اور حوالہ جات کی ذمہ داری مقالہ نگار پر عائد ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کی رائے سے مجلس ادارت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

حسنِ ترتیب

۱۔ محور خیال: سیرت النبی ﷺ کے غیر اسلامی مصادر اور عصری تقاضے (اداریہ) ____ 06 - 07

پروفیسر دلاور خاں

۲۔ دور حاضر میں کارپوریٹ کلچر اور تعلیمات نبویہ ﷺ: تقابلی مطالعہ ____ 08 - 30

ڈاکٹر شہباز احمد چشتی ، ڈاکٹر فلک شیر فائز

۳۔ رفق ولطافت کی معاشرتی اہمیت اور تقاضے، سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں۔۔ ____ 31 - 48

ڈاکٹر عباس علی رضا ، واجد علی ، غلام دستگیر احمد

۴۔ سید مناظر احسن گیلانی، بحیثیت سیرت نگار محمد رسول اللہ ﷺ ____ 49 - 66

ڈاکٹر شاکر حسین خان

۵۔ استاد اور طلبہ کے حقوق سیرت طیبہ کی روشنی میں ____ 67 - 86

ڈاکٹر محمود عالم آسی

۶۔ ہندوستان میں عربی سیرت نگاری کا آغاز وارتقاء ____ 87 - 96

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

۷۔ اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی خدوخال ____ 97 - 104

ڈاکٹر حافظ سید عزیز الرحمٰن

۸۔ شجرہ نسب جد مصطفیٰ ﷺ قرآن وسنت کی روشنی میں ____ 105 - 138

ابوذہیب محمد ظفر علی سیالوی

۹۔ سیرت نگاری کے معاصر رویے (علمی وتنقیدی جائزہ) ____ 139 - 161

صاحبزادہ سلطان احمد علی

۱۰۔ رسول اکرم ﷺ کے مکتوبات اور معاہدات کا تحقیقی جائزہ ____ 162 - 179

مفتی محمد ہاشم

۱۱۔ سیرت مصطفیٰ ﷺ ہر آن ہے انقلاب ____ 180 - 192

محمد شفیق اعوان

محور خیال:

(اداریہ)

سیرت النبی ﷺ کے غیر اسلامی مصادر اور عصری تقاضے

آغاز سیرت نگاری سے پہلے اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ سیرت نگاری کا فریضہ کس طبقے کے لیے سرانجام دیا جارہا ہے۔ اگر یہ سعادت اسلامی معاشرے کے لیے وقوع پزیر ہے تو انتخاب مصادر سیرت بھی اسی پس منظر میں کیا جائے گا۔ اور یہی کاوش اگر غیر مسلم مغربی معاشرے کے لیے کی جارہی ہے تو انتخاب مصادر یہ نہیں ہوں گے۔ کیوں یہ حقیقت ہے اہل مغرب سیرت نگاری میں زیادہ تر غیر مسلم سیرت نگار کی کتب کو اپنے تحقیق کے مصادر و مراجع بناتے ہیں۔ اور اسی پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ ان مصادر کو علمی دنیا میں غیر روائتی مصادر سیرت اور غیر اسلامی مصادر سیرت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس پس منظر میں اکثر معاصر مستشرقین نے سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کے لیے یہ ہی منہج اختیار کیا ہے اور انہوں نے اسلامی مصادر کو یکسر نظر انداز ہی نہیں کیا بلکہ بعض کے نزدیک غیر مستند ہیں۔ اس صورت حال میں اب یہ ایک مکمل منہج و اسلوب تحقیق کا روپ دھار چکا ہے۔ جس کا محور و مرکز بالخصوص اہل یہود و عیسائی روایات کا پس منظر، غیر مسلم تاریخ اور یہود و عیسائی مناظرانہ محرکات اور اسالیب، منہج اور مصادر ہیں۔ مغرب کے محققین کے نزدیک سیرت النبی ﷺ کے مستند مصادر غیر مسلم روایات، تاریخ اور مذہبی اور مناظرانہ ادب ہے جس کی جڑیں نہایت گہری اور وسیع ہیں۔ انہی مصادر کو مرکز مان کر وہ سیرت النبی ﷺ پر الزامات کا بازار گرم کرکے آقا کریم کے بارے میں غلط فہمی پھیلانے کی سازش کرکے اہل مغرب کو آپ ﷺ کے پیغام و کردار سے فیضیاب ہونے کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔

جس طرح سیرت کے اسلامی مصادر اہل مغرب اور مستشرقین کے لیے قابل قبول نہیں بعینہ مسلم مفکرین کے لئے سیرت النبی ﷺ کے غیر اسلامی مصادر قابل اعتماد نہیں۔ مسلم سیرت نگاروں نے مغرب میں سیرت کے فروغ کی ایک آسان سبیل یہ تلاش کی کہ مشرقی زبانوں میں تصنیف کی گئی کتب سیرت کا ترجمہ مغربی زبانوں میں کرکے مطلوبہ مقاصد کے حصول کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ ان کا انحصار اسلامی مصادر پر ہے اور غیر اسلامی مصادر سیرت سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ اس لیے ان کتب سے مغرب میں اس طرح کے مقاصد حاصل نہیں ہوسکے جس کی امید اور خواہش کی جارہی تھی۔

سیرت النبی ﷺ کا عصری تقاضا یہ ہے کہ اہل مغرب کے نفسیاتی رجحان اور ان کے سیرت النبی ﷺ سے متعلق مذہبی، تاریخی اور ثقافتی مصادر کا شعور رکھتے ہوئے سیرتی ادب کی ترسیل کی مؤثر اور دلچسپ انداز میں راہیں تلاش کی جائیں ساتھ ہی اسلامی مصادر کی تائید میں غیر اسلامی مصادر سے بھی استفادہ کرنا ہو گا۔ ان مصادر کے منہج، اسلوب کا معروضی انداز میں جائزہ لینا ہو گا۔ ان مصادر کا متن اسلامی مصادر سے متصادم ہو تو اس کی تنقیح اصول حدیث، روایت و درایت کی روشنی میں کی جائے انہیں منطقی لحاظ سے پرکھا جائے اور ان کی علمی، تاریخی اور فنی کمزوریوں کو اجاگر کر کے راہ راست پر گامزن کرنے کوشش کی جائے۔ اور سیرت النبی ﷺ پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات اسلامی مصادر کی بجائے غیر اسلامی مصادر کی روشنی میں قلم بند کئے جائیں کیوں کہ اکثر اسلامی مصادر کو قابل اعتناء نہیں سمجھتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مصادر کی اصلی زبان سیکھی جائے اور ان کا براہ راست مطالعہ کیا جائے۔ ان مصادر کا داخلی اور خارجی طور پر اور معروضی طور پر تنقیدی جائزہ لیا جائے، ان کے تسامح کی منطقی انداز میں اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا جائے۔ جامعات میں قائم شعبہ سیرت میں غیر اسلامی مصادر کا شعبہ قائم کیا جائے، محققین کو اس پر کام کرنے کی ترغیب دی جائے، جو متن اسلامی مصادر کے مطابق ہے اسے الگ کر لیا جائے اور جو خلاف ہو اس کے جواب میں بھی اہل مغرب کے محققین کی کتب سے تلاش کر کے دیئے جائیں۔ اس پس منظر میں ہمارے سامنے ایک مؤثر مثال عالمی مبلغ اسلام احمد دیدات کی ہے آپ نے سیرت النبی ﷺ پر ایک کتاب What Bible says about Muhammad تصنیف کی۔ یہ کتاب موصوف نے اہل مغرب کے ہر دلعزیز مصدر بائبل کی روشنی میں قلم بند کی۔ جس نے دنیا مغرب میں تہلکہ مچا دیا۔ اس کا اکثر متن غیر اسلامی مصادر سے ماخوذ تھا۔ جس کی اشاعت نے عالمی ریکارڈ بھی قائم کیا۔ عصر حاضر میں مغرب کے لئے لکھی جانے والی سیرت النبی ﷺ کے لیے اسی قسم کے مصادر سے متن سیرت النبی ﷺ اخذ کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ بالآخر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اہل مغرب نے آقا کریم ﷺ کی مخالفت کے لیے ان غیر اسلامی مصادر ہی کو اپنی تحقیق کا مرکز کیوں بنایا اور اسلامی مصادر سے بے اعتنائی کیوں برتتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے:

”مستشرقین کا اصل خوف یہ ہے کہ یورپ میں سیرت پر لکھے گئے اس قدر وسیع منفی ادب کے باوجود کہیں یورپ کو حضور ﷺ کی وہ حقیقی صورت نظر نہ آجائے جو مسلمانوں کے سامنے رہتی ہے“

پروفیسر دلاور خان
مدیر اعلیٰ شاہد ریسرچ جرنل

دورِ حاضر میں کارپوریٹ کلچر اور تعلیماتِ نبویہ ﷺ: تقابلی مطالعہ

Contemporary Corporate Culture and Prophetic Teachings: Comparative Study

Dr. Shahbaz Ahmad Chishti
HOD, Al-Nabaa International Institute of Islamic Studies, New York, USA
drshahbaz@alnabaainstitute.com

Dr. Falak Sher Faizi
Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Narowal

Abstract:
Islam is a code of life for all human beings irrespective of anything. Its fundamental aim to establish prosperous society. Islam recognized individual and communal rights of possession and ownership on the property. It determined the rules and regulations to govern the corporate activities also. No one is free to exploit any vulnerable person in Muslim society. The article in hand will prescribe the unlimited orbit of contemporary corporate culture and human exploitation. It will highlight the socio-economic crisis because of rule less system of corporate. This study will describe the Islamic regulations particularly prophetic teachings in this regard. It will facilitate to understand the Islamic spirit in trade and business activities. This paper will bring recommendations to prepare legal provisions to regulate contemporary corporate acts and to make peaceful corporate culture.

Keywords: Corporate Culture, Contemporary, Islam, Prophetic Teachings, Comparison

کارپوریٹ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

سند یافتہ متعدہ جماعت، تنظیم جماعت، قانوناً مد د واحد تصور کی جانے والی جماعت، سند یافتہ جماعت، اجتماعی تشکیل دینا ایک جماعت میں متعدد کرنا یا شامل کرنا۔(1)

کارپوریٹ کی تعریف:

کارپوریٹ ایک کاروباری ادارہ ہے جو حصص یافتگان کی ملکیت رکھتا ہے جو تنظیم کی سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا انتخاب کرتا ہے کارپوریٹ کاروبار کے اعمال اور مالی معاملات کے لئے ذمہ دار ہوتی ہے کارپوریٹ منافع بخش ہو سکتی ہے کیونکہ کاروبار غیر منافع بخش ہوتے ہیں جیسا کہ خیراتی تنظیمیں عام طور پر ہوتی ہیں۔(2)

کلچر کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

کلچر انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا مطلب کسی چیز یا ذات کی ذہنی یا جسمانی نشو و نما ہے قوموں کی پہچان ثقافت سے ہے ہر قوم کی ایک الگ ثقافت ہوتی ہے کسی قوم کی ثقافت کبھی ہو بہو دوسری قوم کی ثقافت نہیں ہوتی البتہ ثقافت پر دوسری قوموں کی اقدار کا اثر ضرور ہو سکتا ہے ثقافت انسان کا اظہار ہے۔

کارپوریٹ کلچر کیا ہے؟

کارپوریٹ کلچر سے مراد وہ عقائد اور طرز عمل ہیں جس کا تعین کسی کمیٹی کے ملازمین اور انتظامیہ کاروباری معاملات کو کس طرح سنبھالتے ہیں اکثر کارپوریٹ کلچر کا تدارک کیا جاتا ہے واضح طور پر بیان نہیں کیا جاتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمپنی کی خدمات حاصل کرنے والے لوگوں کے مجموعی خصائص سے جسمانی طور پر ترقی ہوتی ہے کسی کمپنی کی ثقافت اس کے ڈریس کوڈ، کاروباری اوقات، آفس سیٹ اپ، ملازمین کے فوائد، کاروبار، نوکری کے فیصلوں، موکلوں کا علاج، مؤکل کا اطمینان اور آپریشن کے ہر دوسرے پہلو سے ظاہر ہو گی۔(3)

Corporate Culture:

A corporation is a legal entity is separate and distinct from its owners. Corporations enjoy most of the right and responsibilities that individuals possess, they can enter contracts, loan and borrow money, sue and be sued, hire employees, own assets, and pay taxes. Some refer to it as a legal person".(4)

What is Corporate Cuture?

When someone asks an employee what kind of company he or she is working for, the answer is usually a good summary of the company's business culture. What kind of workplace, how employees relate, how tight or loose rules, how communication takes place, what are the organisation's priorities, and how the spirit pressures all aspects of a company's culture.

A good or good business culture creates loyal followers for both employees and customers.

That's good for business. It is therefore not surprising that research shows that a good business culture is a source of competitive advantage.

کارپوریٹ کلچر کی تعریف:

کارپوریٹ کلچر کا آغاز کمپنی کے وژن سے ہوتا ہے عام طور پر ایک وژن ایک ہی جملہ ہے جو کمپنی کے مقصد کو بالکل اسی طرح بیان کرتا ہے اس کے بعد کارپوریٹ کلچر یہ حکم دیتا ہے کہ جب کام کرتے ہو تو لوگوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہیے اس کی کارکردگی کی کونسی قدروں کو آگے بڑھانا چاہیے اور وژن کو حاصل کرنے کے لیے کیا طریق کار لاگو کیا جانا چاہیے۔[5]

Definition of corporate culture:

Corporate Culture refers to an organizational culture that incorporates corporate ideology, values, ethics and processes.

Definition of corporate culture:

"Corporate governance involves a set of relationship between a company's management its bound its shareholders and other stockholders. Corporate governance also provides the structure through which the adjectives of the company are set, and the means of attaining those adjectives and monitoring performance are determined.

Explanation of corporate culture definition:

Corporate culture starts with the company's vision. Normally' a vision is a single phrase that communicates exactly what the purpose of the company is. Then, corporate culture dictates how people should behave when at work, what values should drive their performance and what practices should be implemented to achieve the vision.

Behaviors are directly reloaded to the customers and co-workers see, and the include dress codes the physical environment of the company, do's and don'ts as well as organizational riduals.

Values pertain to the unwritten laws of behavior when at the workplace for instance, workers should not gossip about each other; or they should all work for the good of the company etc. Values are manifested through behaviors but are not directly detectable.

Types of corporate culture

Introduction:

Whether they know it or not, every company has a culture. There are many different types of corporate culture. Some evolve naturally and some are intentional, but all of them fit some definition. When we look at culture, we are looking at the sum-total of the behaviors of all employees; culture is defined by what the people of the organization do. Culture is not to be confused with your company mission, vision and values. The mission of the company sets the direction, whereas culture describes environment around how the mission is achieved and values define what the culture will be.

So, why do you need to identify your corporate culture? There are a few important reasons:

1. Operate with intention:

Understanding both the type of culture you want and the type of culture you currently have will allow you to forge a path to get from point A to point B.

2. Uncover gaps:

When you evaluate your company culture, it allows you to identify areas that could be improved so you know where an how to take action.

3. Identify opportunities:

Similarly, taking the time for self-reflection can potentially highlight opportunities that you might be missing out on. (6)

Example of corporate Culture:

Just as people from across the globe live in different cultures, so do companies; and in some cases, even divisions within a

company can have their own culture. Listed below are a few common corporate culture you may wish to create at your organization.

1. Empowered culture:

The epitome of an empowered culture is when every individual in your organization feel fully engaged and actively participates in the success of the business. People initiate new activities that will benefit your company, take ownership of their work, and are willingly responsible for the outcomes. Some of the benefits of fostering this types of culture include.

Individuals are engaged in making organization better.

People feet accountable for their actions and take ownership.

2. Culture of innovation:

In some industries, innovation its highly valued and necessary for the ongoing success of the organization. A culture of innovation focuses not just on coming up with new ideas.

But also on following a rigorous process to bring those ideas to fruition. In a culture of innovation, having a diverse set of personalities will enable ideas to percolate more readily. The benefits of developing this type of culture in an organization include:

1. A unified commitment to innovation among all members of the organization.

2. An environment where everybody feels comfortable communicating their ideas.

3. Sales Culture:

Creating a sales culture at your organization may signal that there is an underlying impetus to support the activities that generate revenue for your company. For companies with a large sales force undergoing a culture transformation to focus on sales withing that group can make them better able to promote new products and services. Implementing a sales culture at your organization can provide the following benefits:

1. A Commitment from a teams to support the salesforce as needed.

2. Accountability in committing to targets and trying to exceed those expectations.

4. Customer Centric culture:

A Customer-centric culture is all about the consumers who buy your company's products or services. This types of culture permeates your entire organization, including those who have no interaction with customers at all.

Employees in a culture of customer centricity your empowered to see everything through the eyes of the customer and to make appropriate decisions based on their observations. The benefits of a customer centric culture include. Company-wide accountability in all aspects of work.

An increase in customers satisfaction.

5. Culture of safety:

In industries that involve physical labor, heavy machinery, or hazardous materials, having a culture of safety means that your are committed to protecting the health and well-being of every individual. In a culture of safety employees inherently protect not just themselves, but also their colleagues. The benefits of a culture of safety include.

Fewer incidents and associated cost savings.

A proactive approach to safety and compliance.

6. culture of leadership Excellence:

In a culture of leadership excellence, individuals at every level have confidence that company leaders are committed to continuous improvement. In turn, leaders demonstrate their commitment by participating in ongoing training, leadership development programs, mentoring and coaching. A culture of leadership excellence benefits from.

A robust leadership pipeline.

Better employee retention through internal employee development.

Strong leaders in every area of the organization. (7)

پس منظر:

کارپوریٹ کلچر ایک معاشی و معاشرتی نظام ہے جس میں سرمایہ بطور عامل پیدائش نجی شعبہ کے اختیار میں ہوتا ہے یعنی دوسرے الفاظ میں کرنسی چھاپنے کا اختیار حکومت کی بجائے کسی پرائیویٹ بینک

کے اختیار میں ہوتا ہے اشتراکی نظام کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں نجی شعبہ کی نرمی معکوس نہیں ہوتی بلکہ سرمایہ داروں کی ملکیت میں سرمایہ کا ارتکاز ہوتا ہے اور امیر، امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے اس میں منڈی آزاد ہوتی ہے اس لئے اسے آزاد منڈی کا نظام بھی کہا جاتا ہے۔

اگرچہ آج کل کہیں بھی منڈی مکمل طور پر آزاد نہیں ہوتی مگر نظریاتی طور پر ایک سرمایہ دارانہ نظام میں منڈی مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے جملہ حقوق، منافع خوری اور نجی ملکیت اس نظام کی وہ خصوصیات ہیں جس میں سرمایہ دارانہ نظام کے مخالفین کے مطابق غریبوں کا خون چوسا جاتا ہے جدید دانشوروں کے مطابق آج کارپوریٹ کلچر اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے اور ایک متبادل نظام کی آوازیں شدت سے اٹھنا شروع ہو گئیں ہیں۔

کارپوریٹ کلچر یہ کہتا ہے کہ ذاتی منافع اور ذاتی دولت کے لیے، جائیداد اور پیداواری وسائل رکھنے میں ہر شخص مکمل طور پر آزاد ہے حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے تاہم دنیا میں سو فیصد سرمایہ دارانہ نظام کسی بھی جگہ ممکن نہیں کیونکہ حکومت کو کسی نہ کسی طرح لوگوں کے کاروبار میں مداخلت کرنی پڑتی ہے۔

کارپوریٹ کلچر / سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی ستون:

اس کلچر کے بنیادی ستون مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سود	2۔ کاغذی کرنسی
3۔ اثاثہ جات	4۔ بینک
5 محصول لگانا	6۔ بین الاقوامی تجارت
7۔ کارپوریشن	8۔ بیمہ کی کمپنیاں
9۔ بازار حصص	10۔ نجکاری

کارپوریٹ کلچر اور تعلیمات نبویہ کا موازنہ:

دور حاضر میں کارپوریٹ کلچر اور تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موازنہ سے ہم اس بات سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں کہ اسلام کا معاشی نظام تمام برائیوں سے پاک معاشی نظام ہے وسائل معاش اور ضروریات زندگی سادہ دور میں نہایت آسان اور سہل تھی انسان اپنی ضروریات زندگی بہت آسانی

اور سادہ طریقے سے پوری کرتا تھا درختوں کے پھل اور شکار بری و بحری کے گوشت اور سادہ لباس اور معمولی خیموں، جھونپڑیوں اور کچے مکانات اور کڑی، چمڑے اور معمولی برتنوں پر انسانی زندگی کا دار و مدار تھا انسان کو زیادہ سرمایہ کی ضرورت نہ تھی اور نہ انسان کو حب مال اور حرص تھی اس سادہ طرز حیات کے بعد تمدن وجود میں آیا اور اس نے بڑھتے بڑھتے دور حاضر میں ارتقائی شکل اختیار کی جس کی وجہ سے معاشی ضروریات اور حاجات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ اس دور کے ایک امیر انسان کا خرچ سادہ دور حیات کے سو افراد کی ضروریات کے خرچ کے برابر ہونے لگا اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک انسان متمدن زندگی بسر کرنے کے لئے بہت زیادہ سرمایہ اکٹھا کرنے کے لئے جدوجہد کرنے لگا جس سے سادہ زندگی عیش و عشرت، کفایت و شعاری اور اسراف اور حرص میں تبدیل ہوتی چلی گئی جو آگے چل کر سرمایہ دارانہ نظام حیات کے لئے سنگ بنیاد بنا۔ کارپوریٹ کلچر نے تسکین خواہشات کے لئے وہ عمارتیں بنائیں اور ان پر بہت زیادہ رقومات کے خرچ کی وجہ انسانی آبادی کے بڑے حصہ کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو سکتی تھیں اس کے علاوہ سرمایہ دار افراد نے اپنی تسکین کے لئے زنا کی دلالی اور رقص و سرور کے وہ پیشے ایجاد کئے جس نے ایک بڑے طبقے کو معاشرے کے ضروری کاموں سے کاٹ کر ان غیر ضروری کاموں اور پیشوں میں لگا دیا جس کو دیکھ کر اقبال مرحوم کو یہ کہنا پڑا ہے:

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے　　　سینما ہے یا صنعت آزادی ہے
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا　　　یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے

دور حاضر میں کوئی بھی مسلمان خطہ ایسا نہیں جہاں اسلام اپنی حقیقی روح سے نافذ ہو مسلمانوں کی تنزلی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کی زندگیوں میں اسلام کی خوشبو نہیں آتی قرآن مجید میں دو طرح کے معاشی نظاموں کا ذکر کیا گیا ہے ایک قارونی معاشی نظام (سرمایہ داری نظام) اور دوسرا اسلامی معاشی نظام (عدل اجتماعی) ہے۔[8]

سورۃ قصص میں قارون کا ذکر ہے جو فرعون کے دور حکومت کا ایک بہت بڑا سرمایہ دار تھا اس ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا معاشی نظام دور حاضر کی اصطلاح کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام تھا قارون کو سرمایہ دارانہ نظام کے قائم مقام ٹھہرایا ہے اور اس کی خرابیوں اور بگاڑ کو واضح کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ o وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ o قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ o فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ o وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ o۔(9)

”قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور ان پر زیادتی کرتا تھا اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیئے کہ اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کے لئے اٹھائی جانی مشکل تھیں جب اس کی قوم نے اسے کہا کہ اترا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اس سے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کے حصول کی خواہش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور ملک میں فساد نہ چاہ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اس نے کہا یہ مجھے میرے اپنے علم سے حاصل ہوا ہے کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ایسی نسلوں کو ہلاک کیا جو اس سے طاقت میں بڑھ کر اور جمعیت میں زیادہ تھے اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا جائے گا سو وہ اپنی قوم کے سامنے ٹھاٹھ باٹھ سے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے انہوں نے کہا اے کاش ہمارے پاس بھی اس کی مثل ہوتا جو قارون کے پاس ہے اور وہ بڑے نصیب والا ہے اور جنہیں علم دیا گیا انہوں نے کہا تم پر افسوس اللہ کا دیا ہوا بدلہ اس کے لئے بہتر ہے جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور یہ سوائے صبر کرنے والوں کے اور کسی کو نہیں ملتا“۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو اسلامی معاشی تعلیمات پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اسلام اکتساب دولت کی ترغیب دیتا ہے اور ساتھ یہ بھی تلقین دیتا ہے کہ کمائی ہوئی دولت تمہاری ملکیت نہیں اس میں سائلین اور محرومین کا بھی حق ہے معاشرتی واقتصادی تفریق کو کم کرنے کے لئے یہ حکم دیتا ہے کہ زائد مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔(10)

1۔اخلاق حسنہ کی تباہی:

سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں اخلاق فاضلہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اخلاق رذیلہ کا استحکام پیدا ہوتا ہے انسانیت کے چند اخلاقی اقدار حسب ذیل ہیں:

1۔**ایثار:** یعنی اپنے مفاد کو دوسرے انسانوں کے مفاد پر قربان کر دینا۔

2۔**رحمت و شفقت:** یعنی دوسرے انسانوں کی حاجت مندی اور دکھ سے متاثر ہونا اور اس تاثر کے تقاضا پر عمل کرنا۔

3۔**ہمدردی:** دوسرے انسانوں کے نفع وضرر کو اپنا نفع وضرر سمجھنا اور اس کے مقتضی پر عمل پیرا ہونا

4۔**شجاعت:** شجاعت جس میں انسانیت کے بلند ترین مقاصد کے لئے جان کی قربانی دینا۔

5۔**سخاوت:** بنی نوع انسان کی حاجت روائی کے لئے مال کو قربان کرنا یہ وہ بنیادی اخلاق ہیں جن کی حسن و خوبی پر اقوام عالم متفق ہیں اور جن کو انسان کے فطری کمالات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور یہ وہ روشن خوبیاں ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ ہدایت کا لب لباب ہے۔

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام سے انسان جس سانچے میں ڈھل جاتا ہے اس میں اخلاق پنجگانہ کے لئے گنجائش باقی نہیں رہتی سرمایہ دار جب اپنے محتاج بھائی کو بلا سود ایک کوڑی نہیں دے سکتا تو اس میں ایثار کہاں سے آئے گا بلکہ ایثار کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نے اس کے دل میں حرص اور لالچ پیدا کیا ہے ایسا شخص جس کو سرمایہ دارانہ نظام نے سود کا خوگر بنا دیا ہے اور وہ افزائش دولت کے جذبے سے سرشار ہے وہ عوام کی محتاجی سے فائدہ اٹھا کر دولت میں اضافہ کرتا جاتا ہے اس لئے سود خور کا دل انسانی شفقت ورحمت کو شکست نہیں دے سکتا اور نہ ہی دے گا جس سے سرمایہ دار کی روزی نفع اندوزی دوسروں کی مصیبت غربت و افلاس پر مبنی ہو اس میں ہمدردی کا جذبہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے سرمایہ دارانہ نظام میں ایک شخص ایک محتاج کی حاجت روائی کے لئے بلا سود پانچ روپے نہیں دے سکتا تو وہ جان کی قربانی کب دے سکے گا؟ یہی وجہ ہے کہ سود خور اقوام سخت بزدل اور شجاعت سے خالی ہوتی ہیں۔(11)

2۔مقاصد میں اختلاف:

کارپوریٹ کلچر اور اسلامی معاشی نظام دونوں ایک دوسرے کے الٹ ہیں ان دونوں نظاموں میں آپس میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں کارپوریٹ کلچر اور اسلامی معاشی نظام دونوں کے مقاصد

میں بھی بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے اسلامی معاشی نظام میں فرد کی جدوجہد کا مقصد رضائے الٰہی کے مطابق مادی احتیاجات کو ایسے انداز میں پورا کرنا جس سے وہ اخروی فلاح سے محروم نہ ہو جائے گویا اسلامی نظام معیشت کا مقصد فرد کی مادی خوشحالی ہے کارپوریٹ کلچر میں افرا تفری، بھاگم بھاگ اور نفسانفسی کے عالم کے سوااور کچھ نہیں ہوتا۔

اسلام ہی ایک ایسا معاشی نظام ہے جو اس کے ماننے والوں کو اخوت و یگانگت و مساوات اور بھائی چارہ کا درس دیتا ہے ہم ملک میں اسلامی معاشی نظام کو بروئے کار لا کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔(12)

3۔ مسابقت و معاونت:

اسلام باہمی تعاون کی بنیادی پر افراد کی معاشی جدوجہد کو استوار کرتا ہے اور یہ تعاون باہمی افراد کی فطری صلاحیتوں کو بہتر انداز میں پروان چڑھا کر ان کے معاشی استحکام اور معاشرتی یکجائی کا باعث بنتا ہے اسلامی تعلیمات ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کی تلقین کرتی ہیں جس سے معاشرے میں خوشحالی آتی ہے اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام افراد کے باہمی مقابلہ و مسابقت کو معاشی جدوجہد کے فروغ اور معیشت کی افزائش وترقی کا بنیادی سبب قرار دیتا ہے اس گردن توڑ مسابقت کے نتیجہ میں اصحاب ثروت دولت سمیٹنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جب کے کمزور طبقات بالخصوص محنت کش محروم اور معاشی پریشانیوں کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔(13)

اسلامی تعلیمات ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی تلقین کرتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کا درس دیا ہے اور ایک دوسرے کا نقصان کرنے سے پرہیز کی تلقین کی ہے۔

4۔ ارتکاز دولت کی ممانعت:

اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعے قربانی، حج، صدقہ وخیرات وغیرہ کے ذریعے ارتکاز دولت کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس طرح ایک طرف تو دولت بے دریغ اور فضولیات پر خرچ ہوتی ہے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ۔(14)

”تا کہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ پھرتی رہے“

اسلام دولت کو جمع کر کے رکھنے کی ممانعت کرتا ہے اور اس کو غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں میں خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ(15)

"جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں انہیں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ایک دن آئے گا کہ اس سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلووں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا پس اپنے جمع کیے ہوئے خزانے کا مزہ چکھو"

اس کے برعکس سرمایہ داری میں ارتکاز دولت ناگزیر ہے سرمایہ داریت کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا تو وہ روپیہ ضائع ہو جائے گا سرمایہ داری میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ دولت اکٹھی کر کے سود پر دی جائے تو اس میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اسلام کا دعویٰ ہے کہ سود سے دولت گھٹ جاتی ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ۔(16)

"اور جو تم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں اضافہ کرے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا"

سرمایہ دار اگر کچھ روپیہ نیک کاموں پر خرچ کرتا ہے تو اس کا مقصد اپنی نمائش و نمود کی شہرت اور محصولات میں چھوٹ لینی ہوتی ہے لیکن اسلام اس چیز کی ممانعت کرتا اور دولت کو غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور حاجت مندوں میں خرچ کی تلقین کرتا ہے۔(17)

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ۔(18)

"وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں آپ فرما دیجئے جو ضروریات سے زائد ہو"

5۔ سودی کاروبار سے اجتناب:

اسلام نے سودی کاروبار سے بچنے کی تلقین کی ہے اور بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے بیع میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ مال کے عوض اور مقابلے میں ہوتی ہے اور سود میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ بلا عوض ہوتی ہے سود کے خلاف اللہ تعالی نے اعلان جنگ کیا ہے(19) قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ۔[20]

"اسے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود کی باقی رقم رہ گئی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو"

سود کے کاروبار پر آخری ضرب آنحضور ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں لگائی جب آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ:

أَلَا إِنَّ كُلَّ رِبًا مِنْ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، أَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ۔[21]

"اور زمانہ جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے اور پہلا سود جو میں اپنے خاندان کا ختم کرتا ہوں اور وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے جو پورا کا پورا میں چھوڑتا ہوں"

ایک اور حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ۔[22]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔"

اسلامی تعلیمات کی رو سے حلال روزی کی تلاش اور حصول کے لئے تگ و دو اور کوشش اہم فریضہ ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ۔[23]

حلال رزق کا طلب کرنا دوسرے فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام کا سارے کا سارا مال سود پر مبنی ہوتا ہے سود ہی کے ذریعے مغربی طاقتیں پورے ملک کو تباہ کر دیتی ہیں سودی کاروبار جب ایک دہائی تک کسی معاشرے میں چلتا ہے تو اس کے بُرے اثرات نمایاں ہو جاتے ہیں غریب اور امیر کے درمیان فاصلہ بڑھ جاتا ہے معاشرے کی تمام دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے[24] قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ۔ (25)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو“۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ۔ (26)

”اور جو تم سود پر دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ کرے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو تو یہی لوگ (در حقیقت) اپنے مال میں اضافہ کرنے والے ہیں“

6۔ حلال و حرام میں فرق:

اسلام کا معاشی نظام اللہ ربّ العزت کا وضع کردہ ہے اس میں انسانی اعمال کے جائز و ناجائز اور کسب رزق اور صرف رزق کے حلال و حرام کے قواعد و ضوابط خالق کائنات کے اپنے بنائے ہوئے ہیں اور وہ ابدی و دائمی اور ناقابل تغیر ہیں دنیا کے اندر کوئی اور نظام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ خالق اور مخلوق کی بنائی ہوئی چیز میں فرق ہے اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کو اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔ (27)

”جو لوگ یتیموں کے مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے“۔

ایک اور جگہ یوں ارشاد خداوندی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ۔ (28)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحیم ہے“۔

اس کے بر عکس سرمایہ دارانہ نظام انسان کا خود ساختہ ہے اسے سرمایہ کی فراہمی کا سب سے بڑا وسیلہ گردانا جاتا ہے اس لئے اس میں جائز و ناجائز کے معیارات بھی انسان کے بنائے ہوئے ہیں اور جن میں وہ اپنی ضروریات کے مطابق تبدیلی کرتا رہتا ہے۔(29)

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو حلال رزق کمانے کی تلقین کرتا ہے اسلام عیاشانہ زندگی کو انسان کے لئے مہلک قرار دیتا ہے اور مختلف اشیاء پر حلال و حرام، جائز و ناجائز وغیرہ کی پابندی عائد کرتا ہے تاکہ افراد معاشرہ تعیشات سے دور رہیں جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اس کے الٹ ہے سرمایہ دارانہ نظام نے پوری دنیا کو عیاشانہ طرز زندگی کا راستہ دکھایا ہے جو بالآخر انسانیت کی تباہی کا موجب بن رہی ہے اس میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں ہے۔(30)

7۔مال جمع کرنے کی ممانعت:

اسلام دولت ایک جگہ یکجا کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ حکم ہے کہ جو دولت جائز طریقہ سے کمائی جائے اسے ایک جگہ اکٹھا نہ کیا جائے بلکہ اس کی گردش جاری رکھی جائے۔ اس طرح دولت کی تقسیم کا توازن برقرار رہتا ہے۔ دولت کو سمیٹ کر ایک جگہ رکھنے والوں کے لئے وعید سنائی گئی ہے۔ ایسا شخص بدترین اخلاقی مریض قرار پاتا ہے بلکہ وہ پوری جماعت کا مجرم قرار پاتا ہے اور اس کا نتیجہ آخر کار خود اس کے اپنے لئے بھی برا ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ۔(31)

"جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں وہ ہر گز یہ گمان نہ کریں کہ یہ فعل ان کے لئے اچھا ہے بلکہ درحقیقت یہ ان کے لئے برا ہے"۔

مگر اسلام سرے ہی سے اس بات کی مخالفت کرتا ہے کہ دولت کو جمع کر کے نہ رکھا جائے اس کو غریبوں میں تقسیم کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔(32)

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دو"

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ دولت کو مزید دولت پیدا کرنے میں لگانا یہی در اصل سرمایہ داری کی جڑ ہے مگر معاشیات کا یہ اصول ہے کہ جب کسی چیز کی رسد کم ہو جاتی ہے تو اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے سرمایہ دارانہ تصور ملکیت چونکہ سرمایہ دار کو لا محدود اختیارات دیتا ہے اس لئے بعض اوقات وہ اپنے نفع کو بڑھانے کے لئے جان بوجھ کر کسی چیز کی رسد کو کم کر دیتا ہے یا جن اشیاء کو ذخیرہ نہ کیا جاسکے ان کو ضائع کر دیا جاتا ہے تاکہ رسد کم ہونے پر منہ مانگی قیمت وصول کی جاسکے۔[33]

8۔ آزادی کاروبار

اسلام کسی ایسے کاروبار کی اجازت نہیں دیتا جس سے متعلقہ افراد کو فائدہ پہنچے لیکن وہ معاشرے کے لئے مہلک اور نقصان دہ ثابت ہو اسلام کا روحانی واخلاقی نظام اس معاشرتی نظام کے ساتھ مربوط ہے ہر وہ کاروبار جو انسانی شخصیت کی اخلاقی وروحانی تعمیر میں رکاوٹ بنتا ہو منع ہے اسی طرح اسلام اس امر کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ صارفین کو دھوکا دینے کے لئے اشیاء کا معیار گرا دیا جائے اسلامی ریاست میں محکمہ احتساب کی طرف سے ایسے شخص کو سزا دی جائے گی حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ أَبَدًا۔[34]

”جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہو گا جس نے حرام سے پرورش پائی“

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام چونکہ انسان کو آزادی سعی کا حق دیتا ہے اس لئے اسے ہر قسم کے کاروبار کی آزادی ہوتی ہے جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کی تفریق سے بالاتر ہو کر صرف اس بات کو مد نظر رکھتا ہے کہ کس کاروبار میں اسے زیادہ نفع کی امید ہے اسے معاشی و معاشرتی فلاح و بہبود سے دلچسپی نہیں ہوتی اس کا مقصد صرف ذاتی نفع کا حصول ہوتا ہے اسلامی تعلیمات اس کے بالکل برعکس ہیں جن کی بنا پر یہ نظام شرعاً ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کو ترقی کی راہ دینے سے بھی معذور ہے۔

اسلام اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ مال کو حلال طریقوں سے کمایا جائے اور حلال کاموں پر ہی خرچ کیا جائے تاکہ معاشرے میں خوشحالی پیدا ہو۔[35]

9۔ رہبانیت کی بجائے اعتدال اور پابندی حدود:

قرآن اس حقیقت کو بھی بار بار زور دے کر بیان کرتا ہے کہ خدا نے دنیا میں اپنی نعمتیں اسی لئے پیدا کی ہیں کہ اس کے بندے ان سے فائدہ اٹھا سکیں قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (36)

"اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے"

خدا کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے کہ انسان ان نعمتوں سے اجتناب کر کے رہبانیت اختیار کر لے البتہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ پاک اور ناپاک میں امتیاز کیا جائے جائز اور ناجائز طریقوں میں فرق کیا جائے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زینۃ اللہ التی أخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ (37)

"اے نبی ان سے پوچھو کس نے حرام کر دیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور رزق کی عمدہ چیزوں کو؟"

ایک اور جگہ پر ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ۔ (38)

"لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں ہے حلال اور پاک اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام انسان کو رہبانیت کا درس دیتا ہے کہ تمام کام چھوڑ کر دولت کو اکٹھا کرنے کے پیچھے لگ جائیں اور سرمایہ دارانہ نظام میں اعتدال کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اور انسان پابندی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور جائز اور ناجائز طریقوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ (39)

اسلام ایک ایسا دین ہے جو رہبانیت کی بجائے اعتدال اور پابند حدود پر زور دیتا ہے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ (40)

"اے وہ لوگ! جو ایمان لائے ہو تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور تم اللہ کا شکر کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو"

10۔ دولت کی منصفانہ تقسیم:

اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا معاشی نظام ہے جو دولت کی منصفانہ تقسیم چاہتا ہے اس کے پیش نظر یہ نہیں ہے کہ تمام انسانوں کے درمیان ذرائع زندگی کو برابر تقسیم کیا جائے قرآن مجید کو جو شخص بھی پڑھے گا اس کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی اس کائنات میں کہیں بھی مساوی تقسیم نہیں پائی جاتی اسلام کے مطابق دولت حاصل کرنے کے ذرائع میں اسلام نے حرام اور حلال کی تمیز قائم کی ہے جن ذرائع کو اسلام نے حرام کر دیا گیا ہے وہ یہ ہیں خیانت، رشوت، غصب، بیت المال میں بے اعتدالی، سرقہ، ناپ تول میں کمی، فحش پھیلانے والے کاروبار، قحبہ گری، شراب اور دوسرے مسکرات کی صنعت و تجارت، سود، جوا، سٹہ بازی اور بیج کے وہ تمام طریقے جو دھوکے یا داؤ پر مبنی ہوں یا جن سے جھگڑے اور فساد کو راہ ملتی ہو یا جو ان صاف اور مفاد عامہ کے خلاف ہوں ان ذرائع کو اسلام از روئے قانون روک دیتا ہے۔

حلال کمائی سے مراد وہ دولت ہے جو کوئی شخص ان طریقوں سے باز رہ کر کمائے اور جائز ذرائع سے کمائی جائے۔ اس دولت حلال سے خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی تلقین کرے۔ مزید اس دولت کو مزید دولت کمانے کے لئے استعمال کرے۔ اس طرح کی دولت موت کے بعد اپنے وارثان کے لئے بطور وراثت بھی چھوڑ سکتا ہے۔ دولت سے مزید دولت کمانے پر ہرگز کوئی پابندی نہیں اور دولت سے مزید دولت کمانا جائز ہے۔ ایک شخص حلال ذرائع سے کروڑ پتی بن سکتا ہو تو اسلام اس کے راستے میں حائل نہیں ہے۔

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی منصفانہ تقسیم کو روک دیا ہے سرمایہ دارانہ نظام میں انسان تین طریقوں یعنی سود، اکتناز اور احتکار سے دولت اکٹھی کرتا ہے جس کی بدولت ملکی دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے امیر اور غریب میں خلا پیدا ہو جاتا ہے امیر، امیر سے امیر تر ہو جاتا ہے اور غریب، غریب سے غریب تر ہوتا ہے اس نظام میں طبقاتی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔[41]

11۔ خرچ کرنے کا حکم:

اسلام بخل اور اصراف دونوں سے منع کرتا ہے۔ اسلام دولت جمع کر کے رکھنے کی بجائے خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے مگر خرچ کرنے سے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ عیش و آرام اور فضول خرچی میں دولت لٹائیں بلکہ وہ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی آپ کے پاس اپنی ضروریات سے جو بچ

جائے اس کو جماعت کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دے یہی فی سبیل اللہ ہے قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

يَسْتَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (42)

"اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہو کہ جو ضرورت سے زائد ہو"۔

ایک اور جگہ پر ارشاد باری تعالی ہے:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ (43)

"اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا بھی حق ہے"

اسلام کا نقطہ نظر سرمایہ داری کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہو جاتا ہے سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤں گا اور جمع کرنے سے مال دار بن جاؤں گا اسلام کہتا ہے کہ خرچ کرنے سے برکت ہو گی تیری دولت گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھے گی سرمایہ دار کے مطابق جو خرچ ہوا اس کا ضیاع ہو گیا مگر اسلام کہتا ہے کہ نہیں وہ ضائع نہیں ہوا بلکہ اس کا بہتر فائدہ خرچ کرنے والے کی طرف پلٹ کر آئے گا قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللهُ يَعِدُكُم مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (44)

"اور شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور بخل جیسی شرمناک بات کا حکم دیتا ہے مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے"

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔ (45)

"اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہیں ہو گا"

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ دولت کو جمع کر کے اس کو سود پر چلانے سے دولت بڑھتی ہے اسلام کہتا ہے کہ نہیں سود سے تو دولت گھٹ جاتی ہے دولت بڑھانے کا ذریعہ نیک کاموں میں اسے خرچ کرنا ہے یعنی اپنا مال صدقات، زکوۃ اور نیک کاموں میں خرچ کریں۔ (46)

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ۔ (47)

اور یہ جو سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہر گز نہیں بڑھتا بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہوتی ہے جو تم اللہ تعالی کے لئے زکوۃ میں دیتے ہو"

12۔نظام زکوۃ:

اسلام کے معاشی نظام میں زکوۃ کو بہت اہمیت حاصل ہے نماز کے بعد سب سے زیادہ اس کی تاکید کی گئی ہے اور واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دولت جمع کرتے ہیں ان کی یہ دولت اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ زکوٰۃ نہ ادا کرے۔(48)

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم مَا۔ (49)

"اے نبی ان کے اموال میں سے ایک صدقہ وصول کرو جو ان کو پاک کر دے اور ان کا تزکیہ کرے"۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ۔

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے"(50)

اس کے برعکس سرمایہ داری نظام کا نظریہ ہے کہ روپیہ جمع کیا جائے اور اس بڑھانے کے لئے سود لیا جائے تا کہ ان کے ذریعہ سے آس پاس کے لوگوں کا روپیہ بھی سمٹ کر اس کے پاس آجائے۔

خلاصۃ البحث:

مذکورہ بحث سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے انسان کے معاشی مسائل کے حل کو کس قدر اہمیت دی ہے اسلام نے ہر فرد کو اللہ کریم کے خزانوں سے خود محنت کر کے کمانے اور اپنا معاشی مسئلہ حل کرنے کی تلقین کی ہے بشرطیکہ فرد عاقل، بالغ اور تندرست و توانا ہو طالب علم یا کسی دینی خدمت پر مامور نہ ہو اگر فرد خود کمانے کا اہل نہیں تو پھر اسلام کے نظام نفقات کے تحت اس کی معاشی

کفالت کی ذمہ داری اس کے والدین اور اقارب کے ذمہ ہے اگر فرد نہ خود کما سکے نہ اس کے اقارب اور اسلامی معاشرہ اس کی کفالت کر کے اس کا معاشی مسئلہ حل کرے تو پھر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہو گی کہ اس کی مدد کرے۔ اسلامی ریاست کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہو گی کہ وہ قابل کار افراد کو روزی کمانے اور یوں اپنا معاشی مسئلہ حل کرنے کے مواقع میسر کرے پیداوار اور ذرائع پیداوار کسی ایک فرد یا مخصوص جماعت کے قبضہ میں نہ رہے کیونکہ ایسا قبضہ افراد کے لئے روزی کمانے کی راہ میں رکاوٹ ہو گا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی ناکامی سرمایہ دارانہ نظام کی ہوتی ہے اس نے آزادی کاروبار کا پر فریب نعرہ لگا کر تمام ذرائع پیداوار چند سرمایہ داروں کے قبضہ میں چلے جانے کا موقع فراہم کیا اور یوں بقیہ افراد کو روزی کمانے کے لئے محتاجی اور پریشانی کا شکار کر دیا وہ چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتے ہیں۔

الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام انسان کے معاشی مسئلہ کے حل کا ادھورا خواب دکھاتا ہے جبکہ اسلام نے اس کی عملی صورت دکھائی ہے۔

حوالہ جات و تعلیقات

1. http://urdu.wodinn.comcorporat.
2. www.shopijy.com.encylopedia.corporate.

3۔ ایون ٹاور، کارپوریٹ کلچر، 2019ء، 26، اگست 2020۔

4. Wil Kenton, corporation, 2020, 09,07,2020
5. Myaccountingcurse.com/accounting-dicionary/corporate-culture.
6. http://www.eaglesflight.com/blog/6-types-of-corporate-culture.
7. Paul goyette, corporate culture, on november 9, 2016.
https://www.eaglesfight.com/blog/6-types-of-corporate-culture.13,08,2020

8۔ شمس الحق، سرمایہ دارانہ واشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص:18۔

9۔ سورۃ القصص، 28:76 تا 81۔

10۔ چیمہ، غلام رسول، اسلام کا معاشی نظام، لاہور، علم و عرفان پبلیشرز، 2007ء، ص:323۔

11۔ افغانی، شمس الحق، سرمایہ دارانہ واشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، ص:26۔

12۔ نعیم صدیقی، ڈاکٹر محمد، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص:129۔

13۔ ایضا، ص:130۔

14۔ سورۃ الحشر، 59:7۔

15۔ سورۃ التوبہ، 9:34، 35۔

16۔ سورۃ الروم، 30:39

17۔ نعیم صدیقی، ڈاکٹر محمد، اسلام اور جدید معاشی تصورات، ص:30۔

18۔ سورۃ البقرۃ، 2:219۔

19۔ فضل، سید الرحمان، معیشت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز 1997، ص:100۔

20۔ سورۃ البقرۃ، 2:278

21۔ سنن ترمذی، حدیث:3087۔

22۔ صحیح المسلم، حدیث:1598۔

23۔ المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:9993۔

24۔ فضل، سید الرحمان، معیشت نبوی ﷺ، ص:102۔

25۔ سورۃ البقرۃ، 2:275

26۔سورۃالروم،39:30
27۔سورۃالنساء،10:4۔
28۔سورۃالنساء،29:4۔
29۔نعیم صدیقی،ڈاکٹر محمد،اسلام اور جدید معاشی تصوارت،ص:126۔
30۔ایضا،ص:127۔
31۔سورۃآل عمران،180:3
32۔سورۃالتوبہ 34:9۔
33۔مودودی،سیدابوالاعلی،معاشیات اسلام،ص:101۔
34۔شعب الایمان للبیقی،حدیث:8952۔
35۔مودودی،سیدابوالاعلی،قرآن کی معاشی تعلیمات،ص:21۔
36۔ سورۃالبقرۃ،29:2
37۔ سورۃالاعراف،32:7
38۔سورۃالبقرۃ،168:2۔
39۔سیدابوالاعلی،قرآن کی معاشی تعلیمات،ص:21۔
40۔سورۃالبقرۃ،172:2۔
41۔مودودی،سیدابوالاعلی،معاشیات اسلام،ص:169۔
42۔سورۃالبقرۃ،219:2
43۔سورۃالذاریات،19:51
44۔ سورۃالبقرۃ،268:2
45۔سورۃالبقرۃ،272:2
46۔مودودی،سیدابوالاعلی،معاشیات اسلام،ص:124 تا127۔
47۔سورۃالروم،39:30
48۔مودودی،سیدابوالاعلی،معاشیات اسلام،ص:131۔
49۔سورۃالتوبہ 103:9۔
50۔سورۃالبقرۃ،276:2۔

رفق ولطافت کی معاشرتی اہمیت اور تقاضے
سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Social Importance & Requirements of Compassion and Gentleness
(Analytical study in the light of Quran and Sunnah)

Dr. Abbas Ali Raza
Assistant Prof. Faculty of Social Sciences, Department of Islamic Studies
Lahore Garrison University, Lahore
Email: abbasaliraza@lgu.edu.pk

Wajid Ali
Assistant professor, Faculty of Liberal arts and Human Sciences
Ziauddin University
Email: Wajid.ali@zu.edu.pk

Ghulam Dastgir Ahmad
Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic Studies MY University, Islamabad
Email: ghulamdasigir416@gmail.com

Abstract:

"This analytical study examines the social importance and requirements of compassion and gentleness within the framework of Islamic teachings as found in the Quran and Sunnah. Compassion and gentleness are foundational virtues emphasized in Islam, playing a crucial role in shaping individual character and societal dynamics. Through an in-depth analysis of relevant Quranic verses and teachings from the Sunnah, this study aims to highlight the significance of these virtues in fostering a compassionate and harmonious social environment. It explores the ethical principles, behavioural guidelines, and practical applications derived from Islamic sources that promote empathy, kindness, and tolerance in interpersonal relationships and community interactions. By drawing insights from Islamic teachings, this study offers valuable insights into cultivating a more compassionate and empathetic society based on the principles of mercy and understanding".

Keywords: Islamic Teachings, Gradualness, compassion, gentleness Society

رفق ولطافت انسانی زندگی کا ایسا جوہر ہے جس کی حیات بخش توانائی سے نہ صرف روح سرشار ہوتی ہے بلکہ دل و دماغ منور ہو جاتے ہیں۔ رفق و لطافت گلشن اخلاق حسنہ کا وہ گل سرسبد ہے جس کی خوشبو سے انسانی کردار معطر ہو جاتا ہے۔ رفق ولطافت ایک ایسا تیر نیم کش ہے جس سے دشمن جاں بھی گھائل ہو جاتے ہیں۔ رفق و لطافت ایک اعلیٰ اور بے مثال وصف ہے جو بے شمار ثمرات کا حامل ہے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے لہٰذا نہ صرف اعمال و افعال کے متعلق انسانی کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ ان انسانی افعال و کردار کے محرکات یعنی اخلاق کے متعلق بھی ہدایات و رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ افعال و اعمال کے ظہور کا سبب یہی اخلاق اور فکر ہی ہوا کرتی ہے لہٰذا اسلام اخلاق حسنہ کی تعلیم پر بھی توجہ مرکوز کرتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے نمونے کے طور پر ہمارے سامنے نبی رحمت ﷺ کی زندگی موجود ہے۔ دین اسلام نے نہ صرف اپنی تعلیمات کو بیان کیا ہے بلکہ نسل انسانی کے سامنے ایسا کامل و اکمل نمونہ بھی پیش کیا جس کی رہتی دنیا تک کوئی مثال نہیں۔ نبی رحمت ﷺ کی حیات طیبہ بنی نوع انسان کے لیے ایک مکمل ترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں جس قدر رفق ولطافت اور نرمی سے کام لیا ہے شاید ہی کسی اور اخلاق حسنہ کا اتنا مظاہرہ فرمایا ہو۔ آپ ﷺ نے رفق ولطافت اور نرمی کی ایسی مثال پیش کی کہ مکہ کے مشرکین پکار اٹھے کہ محمد عربی ﷺ کے پاس ایسا جادو ہے جو بھی آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ بس آپ ﷺ ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے جو بھی دو گھڑیاں آپ ﷺ کی صحبت میں گزار لیتا ہے وہ آپ ﷺ کی زلف عنبرین کا اسیر ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی اس خوبی کا تذکرہ خود رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ (1)

"اے میرے محبوب مکرّم آپ ﷺ اللہ کی عطا سے ان کے لیے نرم دل ہیں۔ اگر آپ ﷺ ان کے لیے بد مزاج یا سخت دل ہوتے تو یہ آپ ﷺ سے دور ہٹ جاتے۔ لہٰذا ان کے ساتھ عفو و درگزر والا معاملہ فرمائیں اور ان کے لیے مغفرت کیجیے۔"

اس آیت مبارکہ میں رب تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کی اسی صفت کریمہ کا اظہار فرمایا ہے جسے مکہ کے کافر جادو کہتے تھے اور دوسروں کو آپ ﷺ کے قریب آنے سے منع کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ واقعہ

کہ جس میں ایسی بوڑھی خاتون کا تذکرہ ہے جو اسی وجہ سے مکہ چھوڑ کر جانے کے ارادے سے سامان باندھے برلب راستہ بیٹھی تھی کہ اگر مکہ میں رہی تو کہیں مجھ پر بھی محمد عربی ﷺ کا جادو اثر نہ کر جائے مگر نبی رحمت ﷺ کے رفق و لطافت اور نرم مزاجی ہی کا اعجاز تھا کہ جو آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے وہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آج ہمارے معاشرے پر نظر دوڑائیں تو عوام الناس تو کجا خواص اور دین اسلام کے مبلغین بھی نرم مزاجی و خوش روی سے خالی ہیں جو اُسوہ رسول ﷺ کا نمایاں ترین وصف ہے کہ جس سے عام لوگ تو درکنار ایسے ایسے سخت دل کافر بھی مطیع و فرماں بردار ہوئے جو ہر وقت آپ ﷺ کی جان لینے کے در پے تھے۔

ہمارا معاشرہ بد اخلاقی و بد لحاظی کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ کسی کی مدد و رہنمائی تو دور کی بات ہے خوش مزاجی سے بات کرنا بھی بزدلی تصور کیا جاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس لحاظ سے اس قدر اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے کہ نرم مزاج شخص کو بے وقوف سمجھا جاتا ہے اور اس کی نرم مزاجی سے فائدہ اُٹھانے کو عقل مندی و چالاکی پر محمول کیا جاتا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے لوگوں کو آگاہی دی جائے اور اس نہج پر عوام و خواص اور اپنے نوجوانوں کی تربیت کی جائے کہ ان میں نرم دلی و خوش مزاجی جیسا جوہر نایاب پیدا ہو جائے تاکہ معاشرے میں امن اور سکون کی فراوانی ہو۔ مگر اس سب کے لیے سخت محنت اور کوشش کے ساتھ ساتھ نبی رحمت ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے استفادہ اور اُسے حرز جان بنائے جانے کی ضرورت ہے۔

رفق و لطافت کا معنی و مفہوم:

رفق چونکہ لغت عربی کا لفظ ہے جس کا معنی ہے نرمی۔ اسی طرح لفظ لطافت کا معنی عمدگی، خوبی، نزاکت، نفاست یا ناز کی وغیرہ۔ لطافت کثیر المعانی لفظ ہے۔ اُردو کے بہت سارے حروف اس کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ عنایت، لطف، سلاست، مہربانی وغیرہ۔ لطافت ہی کی طرح رفق بھی کثیر المعنی ہے جیسا کہ نرمی، مہربانی، نرم برتاؤ، شفقت، حُسن سلوک، کسی کا ساتھ دینا، ساتھی و مددگار ہونا یہ سب رفق کے معانی ہیں۔ جیسا کہ لغت میں موجود ہے:

"رفق، ماء رفق: آسانی سے دستیاب پانی۔

رفق بہ ولہ علیہ رفقاً و مرفقا۔ کسی کے ساتھ نرمی برتنا، رحم کرنا، مہربانی کرنا۔

رافقه مرافقة ورفاقا۔ ساتھ رہنا، ساتھ دینا، ساتھی ہونا۔"(۲)

یہ رفق اور لطافت کے لغوی معنی ہیں۔ لیکن لفظ رفق، لطافت اب ہمارے معاشرے میں بطور اصطلاح بھی رائج ہے جو کہ اپنے لغوی معنی کی مناسبت کے اعتبار سے اصطلاحی معنی کا فائدہ بھی دیتا ہے۔ رفق کی اصطلاحی تعریف درج ذیل الفاظ میں مستعمل ہے:

"اللطف واللين في الأقوال والأفعال وترك العنف والغلظة"(۳)

"رفق سے مراد نرمی اور مہربانی ہے اور درشتی و سختی یعنی عنف کی ضد ہے۔ اور اسی طرح آسانی اور سہولت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا حقیقی معنی نفع کے ہیں۔"

لغوی اور اصطلاحی معنی کو بیان کرنے کے بعد رفق و لطافت کا جو مفہوم واضح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے قول یعنی بات کے ذریعے سے نرمی پیدا کرنا۔ یا اپنے فعل یعنی عمل کے ذریعے سے نرمی و سہولت کو فروغ دینا۔ معاملات میں سہل پسندی اور آسان طریقے کو فروغ دینا۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ محبت و نرمی سے پیش آنا یہ سب رفق و لطافت کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ رفق و لطافت اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بہت زیادہ وسعت کی حامل ہے۔ رفق و لطافت قول و فعل سے لے کر دوسروں کے لیے زندگی میں نرمی و سہولت پیدا کرنے تک ہر معاملے پر محیط ہے۔

رفق و لطافت کی ضرورت اور اُس کے سماجی اثرات:

رفق و لطافت اخلاق حسنہ میں سے ایک خلق ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے فطرت انسانی کے لیے جو اخلاق پسند فرمائے ہیں رفق و لطافت ان میں سے ایک نمایاں وصف ہے۔ جو اپنے موصوف کو نرم دل اور رقیق القلب بناتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور نرمی سے پیش آتا ہے یعنی اگر روح بدن سے نکل جائے تو بدن بیکار اور بے جان محض مٹی کا ڈھیر ہے۔ اسی طرح اگر فطرت انسانی میں نرمی اور رفق و لطافت نہ ہو تو دیگر اخلاق حسنہ بھی بے معنی و بے فائدہ ہو جاتے ہیں کیونکہ نرمی و لطافت ہو گی تو طبیعت دیگر اخلاق حسنہ کی تکمیل پر آمادہ ہو گی۔ آج کے دور میں ہر طرف بے چینی عروج پر ہے۔ نفسا نفسی کا عالم ہے۔ ہر شخص ہی مادہ پرستی کا شکار ہو چکا ہے۔ انسانیت کی پرواہ کیے بغیر فقط مال و دولت کے حصول میں مگن ہے جس کی وجہ سے دلوں میں سختی اور قساوت در آئی ہے جس کے سنگین خطرات و نتائج کا سامنا ہمارے معاشرے کو کرنا پڑ رہا ہے۔ کسی بھی معاشرے کی بقا اور اس کی فلاح و

بہبود کے لیے نرمی اور آپس میں محبت و الفت کا فروغ ایک لازمی عنصر ہے۔ اگر آپ میں محبت و الفت اور رواداری جیسے جذبے ماند پڑ جائیں تو معاشرے میں ہر شخص ہی وحشت کا شکار ہو جائے۔ جیسا کہ آج ہمارے معاشرے میں ایسے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایسی درندگی و شقاوت کا سبب فقط تعلیمات اسلامیہ سے دوری اور آپس میں رفق و لطافت کا عدم فروغ ہے۔ اسی بات کی طرف اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔

"اور اس (اللہ) نے ان (مسلمانوں کے دلوں میں محبت و الفت پیدا فرمادی۔ اور اگر زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ بھی موجود ہے اس سب کو بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی یہ آپس میں محبت و الفت کا جو جذبہ ہے یہ جذبہ کبھی بھی پیدا نہ کر سکتے۔ مگر وہ اللہ ہی ہے جس نے دلوں میں محبت و اُلفت پیدا فرمائی اور دلوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ بے شک وہ بڑا ہی غالب اور دانا ہے۔"

اس آیت مذکورہ کا شان نزول تو اوس و خزرج کے دو قبیلے ہیں۔ جن کی آپس کی دشمنی اور عداوت درجہ انتہا کو پہنچ چکی تھی اور ان کے درمیان موافقت اور انھیں آپس میں ملا دینے کی تمام تراکیب بے کار و بے سود ثابت ہو چکی تھیں۔ کوئی صورت کارگر نظر نہ آتی تھی کہ جس کے ذریعے سے ان کو آپس میں جوڑ دیا جاتا اور آپس میں محبت و یگانگت پیدا ہو جاتی۔ مگر پھر ربّ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ایک ایسا کام جس کی تکمیل میں تمام کاوشیں بے کار اور رائیگاں ہو چکی تھیں۔ ربّ تعالیٰ نے اپنے خاص ذمّہ کرم سے اس عداوت کو مٹا کر ان بے حال اور درماندہ لوگوں کو ایک کر دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ انھیں نبی محترم ﷺ کی ذات مبارکہ کی صورت میں اپنی عظیم نعمت سے بھی نوازدیا۔ اس آیت کا شان نزول تو اوس و خزرج ہیں مگر اس آیت مبارکہ کے مخاطب پوری دُنیا کے انسان ہیں کہ ان انسانوں کے دلوں میں ربّ تعالیٰ نے جو محبت و الفت پیدا کی ہے جس کی وجہ سے ایک باپ اپنی اولاد کے لیے ہمہ قسم کی تکالیف کو برداشت کرتا ہے مگر اپنے بچوں کے لیے راحت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح ماں اور بیٹا، بہن، بھائی اور دیگر رشتہ داروں اور دُنیا کے دیگر انسانوں کے ساتھ محبت و الفت سے پیش آنا یہ سب اسی الفت و محبت کا مرہونِ منت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دل میں پیدا فرمائی ہے۔ یہی محبت و الفت ہی ہے جو ایک دوسرے کی دیکھ بھال اور خیر خواہی پر ابھارتی ہے۔ وگرنہ

انسان آپس میں ایک دوسرے کا ذرا بھی لحاظ نہ کرتے۔ اور جس طرح جنگل میں لاقانونیت ہوتی ہے کہ طاقتور کمزوروں کو پھاڑ کھاتا ہے اسی طرح انسانوں میں بھی طاقت ور کمزوروں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ مگر ربّ تعالیٰ نے باہمی محبت و الفت کو پیدا فرما کر انسان پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپس میں محبت و اُلفت اور رفق و لطافت کو فروغ دیا جائے۔

رفق و لطافت قرآن مجید کی نظر میں:

تعلیمات اسلامیہ کا ایک بڑا حصہ اُن اخلاقی اقدار پر مشتمل ہے جو عمومی طور پر تمام مذاہب اور معاشروں میں موجود ہیں۔ مگر ان اقدار کے قواعد و ضوابط، توازن و اعتدال کے حوالے سے اسلامی تعلیمات دیگر مذاہب اور تہذیبوں سے قطعی مختلف ہے۔ گویا اسلامی تعلیمات اور اخلاقی اقدار دیگر مذاہب سے اشتراک کے باوجود ایک الگ ہی رنگ کی حامل ہیں۔ دیگر اخلاقی اقدار کی طرح رفق و لطافت اور نرمی و سہولت کے حوالے سے قرآن مجید کی تعلیمات بھی بالکل واضح ہیں۔ دیگر مذاہب کی نسبت اسلام کے اخلاقی اقدار کے مطالبے میں ہمہ گیریت اور وسعت پائی جاتی ہے۔ نیز اسلامی مطالبے میں فقط فرد واحد کی فلاح و بہبود ہی مطلوب نہیں بلکہ معاشرے کے تمام افراد کی خیر و فلاح مطلوب ہے۔ اسی طرح ان اخلاقی اقدار کے مطالبے میں نہ صرف دنیاوی زندگی میں خیر و فلاح مطلوب ہے بلکہ آخرت کی زندگی میں کامیابی بھی مقصود ہے تاکہ یوم آخرت میں انسان اپنے ربّ تعالیٰ کے حضور کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو سکے۔ اب قرآن مجید میں ربّ تعالیٰ ارشاد کا ہے کہ بنی نوع انسان کی طرف ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث کیا گیا ہے جو ان کے لیے آسانی فراہم کرنے والا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (۵)

”اور ان (مومنین) پر سے بوجھ اُتارتے ہیں اور ان کے گلے میں جو قید کا طوق ہے وہ اُتارتے ہیں۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے نبی کریم ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کے اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اے اہل ایمان اس رسول مکرم ﷺ کی اتباع اور پیروی کریں جو کہ غیب کی باتیں بتانے والے ہیں۔ اور اُن کی عظمت و شان یہ ہے کہ انھوں نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا۔ اور ان کے متعلق جو اہل کتاب ہیں وہ اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اور یہ رسول مکرم ﷺ ایسے ہیں جو کہ نیکی کی دعوت دینے والے ہیں اور بُرائی و بدکاری سے منع کرنے والے ہیں۔ اسی طرح پاکیزہ اور طیب

چیزیں حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ اور ان کے اوپر سے جو بوجھ ہے اسے دور کرتے ہیں اور جو قیدیں ہیں اُن کو ختم فرمانے والے ہیں۔ یعنی بوجھ کا ہلکا کرنا اور پابندیوں کو دور کرنا یہ سب بھی آسانی اور نرمی کی ہی کیفیت ہے۔ اور دوسرا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا لایا ہوا دین آسان و نرم اور کشادہ ہے۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے پہلے والے ادیان میں مشقتیں اور سختیاں تھیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کا توبہ کے طور پر خود کو قتل کرنا اور پھر جن اعضاء سے گناہوں کا صدور ہو اُن کو کاٹ ڈالنا اسی طرح جس کپڑے کو نجاست لگے اسے کاٹ ڈالنا یا جلا ڈالنا۔ صدقہ و غنیمت کے مال کا جلایا جانا اور مکانوں کے دروازوں پر گناہوں کی تفصیل درج ہونا وغیرہ۔ یہ وہ سختیاں اور مشکلات تھیں جو سابقہ ادیان میں موجود تھیں۔ مگر نبی رحمت ﷺ کے صدقے اللہ پاک نے ہمارے لیے دین کو آسان فرما دیا۔ اسی طرح ایک اور آیت مبارکہ میں رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۱۲۸... [۲]

"پس تحقیق تمہارے پاس تمہی لوگوں میں سے ایک عظیم رسول تشریف لائے جن پر گراں گزرتا ہے تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا اور وہ آپ لوگوں کی بھلائی کے خواہاں ہیں اور اہل ایمان پر نہایت مہربان اور رحم فرمانے والے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ کے آغاز میں اللہ پاک نے نبی رحمت ﷺ کی بعثت کی خبر دی ہے کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہی میں سے اللہ نے اپنے رسولِ مکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ یعنی انسیت اور لگاؤ پیدا کرنا مقصود تھا۔ کہ یہ رسول محترم ﷺ تمہی میں سے تو ہیں۔ جن کو تم بخوبی جانتے ہو۔ ان کی صداقت، امانت، عدالت، شجاعت، زہد اور تقویٰ کے تو تم خود ہی گواہ ہو۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ نبی رحمت ﷺ پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت گراں اور تکلیف دہ گزرتا ہے۔ یعنی نبی رحمت ﷺ تمہارے لیے آسانی اور نرمی کے متقاضی ہیں اور سب سے بڑی مشقت عذاب کی ہے جو نافرمانی کی صورت میں دیا جائے گا۔ لہذا نبی رحمت ﷺ اسی عذاب ہی کی مشقت کو ہم سے دور کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں۔ اور اللہ پاک نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ ان پر اہل ایمان کا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے بلکہ وہ تو تمھیں دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود دلوانے میں بھی حریص ہیں۔

لفظ حریص پر غور کریں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ فقط نرمی اور آسانی دلوانے کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ نبی رحمت عالم تو حریص یعنی شدت کے ساتھ نرمی و آسانی فراہم کرنے اور سختی و مشقت کو دور کرنے والے ہیں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ پر نبی رحمت ﷺ کی نرم روئی اور رحمت کا ذکر کر کے گویا ربّ تعالیٰ نے مزاج نبوی ﷺ کو بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ قیامت تک قرآن مجید میں سے نبی رحمت ﷺ کے مزاج سے واقفیت حاصل کر کے بنی نوع انسان کی ہدایت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ اور اس میں ایک اور بھی حکمت ہے کہ سختی اور درشتی والا مزاج لوگ دین کے نام پر اپنا کر کہیں معاشرے میں سے نرمی اور آسانی کو ختم نہ کر سکیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر نہایت پر اثر انداز میں ربّ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کے آسانی اور نرمی والے انداز کا ذکر فرما کر پھر اس کی تاثیر اور اس کے نتائج کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ (۷)

"اے محبوب مکرم ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب نرم دل اور نرم خو ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر ترش رو اور بدزبان ہوتے اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ جو آپ ﷺ کے اردگرد موجود ہیں ضرور آپ ﷺ سے دور ہو جاتے۔ اے محبوب ﷺ ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے شفیع بن جاؤ۔ اور مختلف اُمور میں ان سے مشاورت کر لیا کرو۔ اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو تو پھر اللہ پر توکل و بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرنے والے اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔"

یہ آیت مبارکہ نبی کریم ﷺ کی نرم دلی اور رفق و لطافت والی حالت کو بیان کرتی ہے۔ اس کے ساتھ جو فوائد حاصل ہوئے ان کو بھی بیان کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نتائج کو بھی بیان کرتی ہے۔ آیت مبارکہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے کہ اے محبوب مکرم ﷺ آپ ﷺ کا نرم مزاج ہونا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اس بات سے معلوم ہوا کہ نرم دل ہونا بھی اللہ ربّ العزت کی رحمت اور اس کے کرم کی نشانی ہے۔ آیت کے آغاز میں نرمی و رحمدلی کو اپنی رحمت کا سبب بتلایا اور آپ ﷺ کی رحمت اور نرمی و رحمدلی کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ہی سخت دلی اور درشتی کے بُرے اثرات کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر اے محبوب مکرم ﷺ آپ ﷺ ترش رو اور سخت مزاج ہوتے یا پتھر دل ہوتے تو یہ لوگ جو آپ ﷺ کے گرداگرد موجود ہیں کبھی بھی آپ ﷺ کے آس پاس نہ رہتے۔ اگر

آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے یعنی معلوم ہوا کہ میٹھی زبان کے ساتھ دل کا نرم ہونا بھی ضروری ہے۔ فقط میٹھی زبان سے مقصد حاصل نہیں ہو گا۔ ضروری ہے کہ میٹھی زبان کے ساتھ دل بھی نرم اور مزاج بھی حلیم ہو۔ پھر مزید ارشاد فرمایا کہ اے محبوب مکرم ان لوگوں سے در گزر والا معاملہ فرمایا کرو۔ اور ان کے لیے شفاعت کرنے والے بن جاؤ۔ یعنی رب تعالیٰ اس آیت مبارکہ میں نبی رحمت ﷺ سے یہ تقاضا فرما رہا ہے کہ اے میرے محبوب میرے بندوں کے لیے سراپا رحمت بن جاؤ۔ کہ آپ ﷺ کا لہجہ بھی نرم اور میٹھا، آپ ﷺ کا دل بھی نرم اور رفق و لطافت کے جذبے سے بھرپور ہو۔ اور ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں سے بھی در گزر فرماتے رہو اور ان کے لیے شفاعت طلب کرتے رہو۔ اس پوری آیت میں اللہ پاک نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو نرمی، رفق و لطافت کرنے اور در گزر کرنے کا حکم عطا فرمایا ہے۔

مختلف شعبۂ حیات میں رفق کی قرآنی ہدایات:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہ صرف نبی رحمت ﷺ کی نرم مزاجی اور اُس کے گہرے اثرات و نتائج کا ذکر فرمایا ہے بلکہ جابجا دین اسلام کے پیروکاروں کو بھی دوسرے لوگوں کے نرمی اور رفق اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ تاکہ دین اسلام کے پیروکاروں کی اچھے انداز میں تربیت ہو سکے۔

والدین کے ساتھ نرمی برتنے کی تلقین:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں پر نرمی اور رفق و لطافت برتنے کی تلقین فرمائی ہے اس میں سب سے پہلے والدین کو سر فہرست رکھا ہے۔ والدین سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ اُن کے ساتھ نرمی اور رفق و لطافت سے پیش آیا جائے۔ والدین کے ساتھ محبت اور نرمی سے پیش آنے کے حکم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی عبادت کے حکم کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ (۸)

”اور تمہارے پروردگار کا یہ حکم ہے کہ عبادت صرف اسی کی ہی کی جائے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔“

اللہ ربّ العزت نے اس آیت مبارکہ میں انسان کے مقصد تخلیق کو بیان فرمایا ہے یعنی اللہ رب العزت کی عبادت کرنا کیونکہ ایک اور مقام پر اللہ ربّ العزت نے انسان اور جنات کی تخلیق کے سبب کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے انسان تیرے رب کا یہ حکم ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ یعنی حسن سلوک اور نرمی پھر وہ بھی والدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اپنی عبادت کے حکم کے فوراً بعد والدین کے ساتھ نرمی اور حُسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ قرآنی تعلیمات میں جگہ جگہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی اپنانے کی تلقین کی ہے۔ اور پھر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا تو بالخصوص اہتمام فرمایا ہے۔

خانگی زندگی میں رفق و لطافت کا اہتمام:

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ بھی نرمی اور رفق و لطافت کا اہتمام کرنے کا بھی قرآنِ حکیم میں حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔[9]

”اور اُن (بیویوں) کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا رویہ اپناؤ۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور رفق و لطافت سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ان آیات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عائلی زندگی میں بھی ربّ تعالیٰ نے نرمی اور رفق کو ایک بنیادی اصول کے طور پر متعارف کروایا ہے۔ یعنی ایک طرف والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم تو دوسری طرف بیوی کے ساتھ نرمی اور اچھا سلوک کرنے کی تلقین۔ یہاں تک کہ اگر طلاق وغیرہ جیسا ناپسندیدہ عمل بھی ہو تو نرمی اور حُسنِ سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ یعنی طلاق عمومی طور پر آپس کی لڑائی اور ناراضی کی صورت میں ہوتی ہے اس وجہ سے فریقین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت اور عداوت ہوتی ہے مگر ایسے تکلیف دہ مرحلے کے موقع پر بھی ربّ تعالیٰ نے نرمی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَانٍ۔ (۱۰)

"طلاق تو دوبار ہے یا تو پھر اُن کو بھلائی اور اچھائی کے ساتھ روک لینا ہے یا پھر نیکی اور بھلائی کے ساتھ اُن کو چھوڑ دینا ہے۔"

آپ قرآنی تعلیمات کو پڑھتے جائیں تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ رب تعالیٰ نے عائلی زندگی میں رفق و لطافت کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ اور نرمی ور فق کو عائلی زندگی میں ایک اصول کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے۔

اشیاء کی حرمت میں اندازِ تدریج کے ذریعے نرمی:

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے محبوب مکرم ﷺ کی نرم مزاجی اور رفق و لطافت کے ذکر خیر کو بیان فرمایا ہے بلکہ اپنے بندوں کو بھی نرمی اور رفق و لطافت کی تلقین فرمائی ہے۔ اور نہ صرف عامۃ الناس کو اپنی اپنی زندگیوں میں نرمی اور رفق و لطافت اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی تلقین فرمائی کہ وہ تبلیغ میں نرم لہجہ اور نرم روئی اختیار کریں۔ کیونکہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے نرمی اور آسانی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی ایسی چیز کا مکلف نہیں بنایا جس کی ادائیگی سے انسان عاجز ہو۔ اسی طرح شریعت میں بھی آسانی اور نرمی والے انداز کو اپنایا ہے۔ چیزوں کو حرام کرنے میں بھی یک لخت کی بجائے تدریج والا رویہ اپنایا ہے تاکہ انسانوں کے لیے مشکل پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ شراب کے معاملے میں رب تعالیٰ نے انداز اختیار فرمایا ہے۔ کہ آہستہ آہستہ احکامات نازل فرمائے اور بالآخر شراب کو حرام قرار دے دیا تاکہ لوگوں کے لیے مشکل پیدا نہ ہو۔ پوری شریعت مطہرہ اور قرآنی تعلیمات اس بات کی عکاس ہیں کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے نرمی اور آسانی چاہتا ہے اور خود بھی اپنے بندوں پر مہربان اور آسانی والا معاملہ فرمانے والا ہے۔ لہذا حضرت انسان کو چاہیے کہ وہ بھی منشائے خداوندی کی تعمیل میں دوسروں کے ساتھ نرمی اور آسانی والا معاملہ کرے۔

رفق و لطافت اور سیرت نبوی ﷺ:

انسان کی رہنمائی کے لیے سب سے مستند اور بہترین نمونہ اُسوۂ رسول ﷺ ہے۔ آپ ﷺ جیسی کامل واکمل ہستی ہی بنی نوع انسان کی تربیت وہدایت کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کی ذات اقدس ہی وہ ذات ہے جس سے رہنمائی لے کر عرب کے بدو زمانے کے سردار بن گئے۔

آپ ﷺ ہی کا فیضان تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن شیر و شکر ہو گئے۔ وحشتوں کے مارے ہوئے تند خو اور اجڈ لوگ مہذب اور اعلیٰ اقدار کے حامل ٹھہرے۔ یہ آپ ﷺ ہی کی ذات مبارکہ کا کرشمہ تھا کہ نرمی و لطافت جن کے پاس سے نہ گزری تھی انھوں نے محبت و مؤدت کی ایسی داستانیں رقم کیں جن کی مثال رہتی دنیا تک نہ ملے گی۔ یہ آپ ﷺ ہی کا اعجاز تھا کہ عرب کے ان غیر مہذب لوگوں کو دُنیا کا امام بنا دیا۔ آپ ﷺ کی ذات والا صفات جہاں دیگر انسانی زندگی کے پہلوؤں کے متعلق رہنمائی فراہم کرتی ہے وہیں پر رفق و لطافت اور نرمی کے حوالے سے بھی آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر آپس میں نرمی و آسانی کی تلقین فرمائی ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے نرمی اور آسانی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

((عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ))۔[۱۱]

یہ حدیث مبارکہ رفق و لطافت اور نرمی کو بطور اصول متعارف کرواتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں سیدہ اُم درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جسے نرمی میں سے حصہ عطا کر دیا گیا تو اسے خیر و بھلائی میں سے حصہ عطا کر دیا گیا ہے۔ اور جو نرمی سے محروم ہوا اسے خیر و بھلائی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یعنی نرمی و لطافت اس قدر اہم اور بنیادی اُصول ہے کہ خیر و بھلائی کا دار و مدار ہی نرمی اور رفق پر رکھا گیا ہے۔ یعنی جس کو نرمی اور رفق سے نوازا گیا ہے۔ اللہ پاک نے اُسے بھلائی اور خیر سے نواز دیا ہے۔ نرمی کی صفت سے نوازا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ربّ تعالیٰ نے خیر و بھلائی سے نواز دیا ہے۔ اور اسی طرح نرمی و لطافت سے محرومی بدبختی کی دلیل ہے۔ یعنی جو نرمی سے محروم ہوا گویا کہ وہ بھلائی اور خیر سے محروم ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا چیزوں کی زینت نرمی سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.))۔[۱۲]

"انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے نبی رحمت ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرمایا ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت کر دیتی ہے۔"

یہ حدیث مبارکہ بھی رفق و لطافت کی اہمیت کو ایک نئے انداز میں اُجاگر کرتی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کے فرمان عالیشان کے مطابق کہ نرمی اور رفق کسی بھی چیز کی خوبصورتی کی وجہ ہے۔ یعنی مقصد نبوی ﷺ یہ تھا کہ لوگو! اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو اور اسی طرح معاملات زندگی کو رفق و لطافت سے مزین کرلو۔ کیونکہ اگر کسی بھی شے کا عنصر رفق و لطافت نہیں ہے تو وہ چیز عیب دار اور بد ہیئت ہوگی۔ سو رفق و لطافت وہ بنیادی عنصر ہے جو کسی بھی شے کی خوبصورتی کے لیے لازمی جزو ہے۔ اسی طرح جو چیز رفق و لطافت سے عاری اور خالی ہو وہ خوبصورت نہیں ہو سکتی۔ نبی رحمت ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ جو شخص نرمی سے محروم ہوا گویا کہ وہ خیر سے محروم ہوا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ))۔ (۱۳)

"حضرت جریر بن عبد اللہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص نرمی کرنے سے محروم رہا وہ آدمی خیر و بھلائی سے محروم ہو گیا۔"

اس حدیث مبارک میں نبی رحمت ﷺ نے رفق و لطافت اور نرمی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ نرمی اور رفق دین کے اندر اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جو شخص رفق اور نرمی سے محروم ہوا گویا کہ وہ بھلائی اور خیر سے محروم ہو گیا۔ یعنی رفق و لطافت وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے انسان کی خیر و فلاح جڑی ہوئی ہے۔ نرمی و لطافت نہ صرف اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے بلکہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نظر کرم کا سبب ہے۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " كَانَ الرَّجُلُ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ: إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، لَعَلَّ اللهُ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، قَالَ: فَلَقِيَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْه.))۔ (۱۴)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو رقم قرض پر دیا کرتا تھا اس نے اپنے ملازمین کو یہ کہہ رکھا تھا کہ کوئی ایسا مفلس شخص جو میرا قرض دار ہو اس کو رقم معاف کر دیا کرو۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرما دے۔ جب وہ شخص بعد از موت اپنے رب سے ملا تو رب تعالیٰ نے اسی بات پر اس شخص کو معاف فرما دیا۔"

ہر شخص ہی اس بات کا طلب گار ہے کہ بعد از موت رب تعالیٰ اس کے ساتھ رحمت و کرم اور فضل والا معاملہ فرمائے۔ مذکورہ روایت میں نبی کریم ﷺ نے وہ ضابطہ اور طریقہ بیان فرما دیا ہے کہ

کیسے ایک شخص جو دوسروں کو معاف کر دیا کرتا تھا دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والا تھا۔ ربّ تعالیٰ نے دُنیا کے اندر بھی اس کے لیے آسانی والا معاملہ فرمایا کہ اسے اس قدر عطا کر دیا گیا کہ وہ لوگوں میں تقسیم کرتا رہا۔ اور بعد از موت بھی رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ نہایت شفقت و محبت اور رحم والا معاملہ فرماتے ہوئے اس شخص کو معاف فرما دیا۔ سو یہ حدیث مبارکہ ان لوگوں کے لیے نوید جانفزا ہے جو اپنے رب کے حضور معافی اور اس کے کرم و فضل کے طلب گار رہتے ہیں۔ نرمی و لطافت اور سختی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے ایک فیصلہ کن دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ جو دوسروں پر رحم کرے تو بھی اس پر رحم فرما اور جو دوسروں پر سختی کرے تو بھی اس کے ساتھ سختی والا معاملہ فرما۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((فَقَالَتْ: أَمَا إِنَّهُ لَا يَمْنَعُنِي الَّذِي فَعَلَ فِي مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَخِي أَنْ أُخْبِرَكَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ فِي بَيْتِي هَذَا: اللهم مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ.))۔[۱۵]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے گھر میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے اللہ لوگوں میں سے جو شخص ان کے معاملات کا ذمہ دار بنے اور پھر وہ مشقت میں ڈالے تو اے اللہ تو بھی اسے مشقت میں ڈال اور جو شخص لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بنے اور نرمی کا برتاؤ کرے تو اللہ تو بھی اس کے ساتھ نرمی والا معاملہ فرما۔"

نبی کریم ﷺ جو کہ خود بھی اپنی اُمت کے لیے نرمی اور آسانیاں پیدا فرمانے والے تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ آسانیاں ہی پیدا فرمائی ہیں۔ چاہے وہ دنیاوی معاملات ہوں یا دینی معاملات ہوں۔ آپ ﷺ کی ساری زندگی اسی چیز سے عبارت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے آسانیاں ہی فراہم کی ہیں۔ اور ہمیشہ تنگی اور حرج کو دور کیا۔ چاہے وہ دنیاوی معاملات ہوں یا دینی معاملات ہوں۔ اور پھر آپ ﷺ نے اپنے رب کے حضور دُعا بھی یہی فرمائی کہ اے میرے ربّ میری اُمت میں سے اگر کسی شخص کو لوگوں کے معاملات چاہے وہ دینی ہوں یا دنیاوی دونوں صورتوں میں اگر وہ شخص لوگوں پر رحم کرنے والا ہو اور معاملات میں آسانی پیدا کرنے والا ہو۔ لوگوں کے لیے نرم دل ہو تو اے میرے اللہ تو بھی اس شخص کے ساتھ نرمی اور رفق و لطافت والا معاملہ ہی فرمانا جیسا کہ اس نے میرے امتیوں

کے ساتھ کیا، لیکن اگر میری اُمت میں سے کسی شخص کو لوگوں کے دینی یا دنیاوی معاملات کا ذمہ دار بنایا اور وہ لوگوں کے لیے تنگی اور حرج پیدا کرتا ہے۔ اور معاملات میں لوگوں کے لیے مشکل کا سبب بنتا ہے تو اے اللہ تو بھی اُسے مشقت میں ڈال دے۔ اور اس کے لیے تنگی و سختی والا معاملہ فرما۔ معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب مکرم ﷺ کی منشاء اور مرضی یہی ہے کہ لوگوں کے لیے آسانیاں فراہم کی جائیں۔ دوسروں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور رفق و لطافت سے پیش آیا جائے۔ کیونکہ خود خدائے تعالیٰ اور نبی رحمت ﷺ کی سنت بھی بندوں پر نرمی کرنا ہے اور ان کے لیے آسانیاں فراہم کرنا ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندے بھی آپس میں ایک دوسرے کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والے اور ایک دوسرے کے ساتھ رفق و لطافت والا معاملہ کرنے والے بن جائیں تاکہ نہ صرف دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار بن جائیں بلکہ آخرت کی زندگی میں بھی رب تعالیٰ کی نظر رحمت کے مستحق بن جائیں۔ اور نبی رحمت ﷺ نے نہ صرف تلقین فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی فرمایا تاکہ اُمت کی رہنمائی کے فریضے کی تکمیل ہو سکے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ اپنی صغیر سنی یعنی آٹھ سال کی عمر میں بارگاہ مصطفی ﷺ میں حاضر ہوئے تھے اور دس سال تک کریم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر خدمت رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے نبی رحمت ﷺ نے کبھی نہ ٹوکا اور نہ کبھی ڈانٹا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((خَدَمْتُ النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي: أُفٍ، وَلَا: لِمَ صَنَعْتَ؟: وَلَا: أَلَّا صَنَعْتَ))۔ (۱۶)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں بطور خادم حاضر رہا۔ آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا اور کسی کام کے کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ اس کو کیوں کیا یا کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ اس کو کیوں نہیں کیا۔“

آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے خداموں بلکہ اپنے اہل واعیال، اپنے عزیز رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ رحمدلی اور نرمی سے کام لیا بلکہ اپنے جانی دشمن کافروں کے ساتھ بھی حُسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا۔ وہ جو آپ ﷺ کی جان لینے کے درپے تھے مگر آپ ﷺ نے اُن کے ساتھ بھی ایسا حسن سلوک کیا کہ قیامت تک ایسی مثال نہیں ملے گی۔ طائف کے کافروں نے آپ ﷺ کو پتھر مار مار کر زخمی

کر دیا اور اس قدر خون بہا کہ آپ ﷺ کے جوتے مبارک خون سے بھر گئے۔ مگر اس سب کے باوجود بھی آپ ﷺ نے اُن کے لیے بد دعا تک نہ فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے اُن کے لیے ہدایت کی دُعا مانگی۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی ہی نرمی ور فق اور حسنِ سلوک کے اعلیٰ معیار سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لیے ایسا مینارۂ نور ہے جس کی روشنی میں ہم بحیثیت اُمت نیکی کے راستے کی منازل طے کر سکتے ہیں اور اس روشنی کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنا بھی ہماری اولین ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔ تاکہ ہدایت کا یہ سفر تا قیامت جاری رہے اور ہماری نسلیں بھی نبی رحمت ﷺ کی حیات طیبہ سے ہدایت حاصل کرتی رہیں۔

سنگ دلی و قساوت:

نرم مزاجی اور رحم دلی جس طرح سے معاشرے اور افراد کی تعمیر و ترقی اور فلاح کا ذریعہ ہے اسی طرح سنگ دلی اور قساوت و سختی معاشرے اور افراد کے لیے نقصان اور بربادی کا سبب ہے۔ سنگ دلی نہ صرف لوگوں کو دور کرنے کا سبب بنتی ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسان بارگاہ خداوندی سے بھی راندہ درگاہ ہو جاتا ہے۔ سنگ دلی تعمیر کی بجائے خرابی و تخریب کاری اور فتنہ و فساد کو ہوا دیتی ہے اسی طرح یہ سخت دلی اور قساوت اللہ اور اس کے رسول کے ہاں سخت ممنوع ہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں متعدد جگہ پر اس کی خرابی اور نقصان کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللهِ۔ (۱۷)

”اور خرابی ہے ان کے لیے جو سخت دل ہیں کہ ان کے دل یادِ خدا سے غافل ہو گئے ہیں اور وہ کھلم کھلا گمراہی میں ہیں۔“

اس آیت مبارکہ میں ربّ تعالیٰ نے دل کی سختی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کا بھی ذکر کیا ہے کہ جن کے دل سخت ہیں تو سب سے پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ یاد الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یعنی جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے یا پھر تلاوت آیات کی جاتی ہے تو ان کے دل پر اثر نہیں ہوتا بلکہ دل کی سختی اور بڑھ جاتی ہے تو جس کی وجہ سے انسان اپنے ربّ سے بھی دور ہو جاتا ہے اور حق بات اس پر اثر نہیں کرتی لہٰذا سخت دلی اور قساوت قلبی نہایت مہلک اور خطرناک مرض ہے۔ یہ مرض انسان کی بد

بختی کی علامت ہے۔ علماء نے اس کی وجوہات میں پیٹ بھر کر کھانا کھانا، برے لوگوں کی صحبت، سابقہ گناہوں کو بھول جانا اور لمبی اُمیدیں قائم کرنا یہ سب قساوت اور سنگ دلی کی وجوہات ہیں۔

سنگ دلی ختم کرنے اور رفق ولطافت پیدا کرنے کے لیے چند تجاویز:

نرمی ولطافت انسان کی خیر و بھلائی کا بنیادی عصر ہے جس شخص میں جس قدر زیادہ نرمی ہو گی وہ اسی قدر سعادت مند اور خیر و فلاح پانے والا ہو گا اور جس شخص میں سختی زیادہ ہو گی اسی قدر وہ بھلائی اور خیر سے محروم اور دور ہو گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دل میں نرمی پیدا کی جائے اور سختی و قساوت سے بچا جائے۔ جس کے چند ممکنہ درج ذیل طریقے ہیں:

۱۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔
۲۔ ذکر الٰہی۔
۳۔ لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا۔
۴۔ یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا۔
۵۔ استغفار کرنا۔
۶۔ علماء کے ساتھ بیٹھنا۔
۷۔ وعظ و نصیحت سننا۔
۸۔ موت کو کثرت سے یاد کرنا۔

خلاصۃ البحث:

دین اسلام میں رفق و لطافت کو ایک بنیادی اور ہمہ گیر اصول کی حیثیت حاصل ہے اور یہ وصف دین اسلام ہی کا ہے کہ اس نے احکام شریعہ اور اسلامی تعلیمات انسانی استطاعت کے مطابق رکھی ہیں۔ اور یہ ضابطہ بنا دیا کہ کسی بھی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ اسی طرح احکام کے نفاذ میں اُصولِ تدریج بھی دراصل رفق اور نرمی ہی کی صورت ہے۔ رفق و لطافت کا تعلق انسان کی زندگی کے ہر پہلو سے ہے۔ عائلی زندگی میں معروف کا حکم دراصل نرمی اور رفق و لطافت پر ہی اصرار ہے۔ رفق و لطافت جہاں پر ایک فرد اور خاندان اور معاشرے کے لیے ضروری ہے وہیں پر قومی و بین الاقوامی اور سیاسی معاملات میں بھی ناگزیر ہے۔ مگر ہمارے سماج کے ہر شعبے میں رفق و لطافت کا فقدان نظر آتا ہے جس کی وجہ سے بہت سارے معاشرتی و معاشی اور سیاسی و سماجی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج پھر اپنے مسائل کے حل اور معاملات کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ رفق ولطافت اور نرمی کو زندگی کے ہر شعبے میں لاگو کیا جائے۔

حوالہ جات وتعلیقات

۱۔ القرآن، آل عمران ۳:۱۵۹

۲۔www.almadny.com

۳۔ موسوعۃ المصطلحات الإسلامیۃ.https://terminologyenc.com/ar/home

۴۔ القرآن، الانفال ۸:۶۳

۵۔ القرآن، الاعراف ۷:۱۵۷۔

۶۔ القرآن، التوبہ ۹:۱۲۸۔

۷۔ القرآن، آل عمران ۳:۱۵۹

۸۔ القرآن، بنی اسرائیل ۱۷:۲۳۔

۹۔ القرآن، النساء ۴:۱۹۔

۱۰۔ القرآن، البقرہ ۲:۲۲۹۔

۱۱۔ محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذي، سنن الترمذي، أبواب البر والصلۃ، باب ما جاء في الرفق، رقم الحدیث:۲۰۱۳

۱۲۔ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیري النیسابوري، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، رقم الحدیث:۲۵۹۴

۱۳۔ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیري النیسابوري، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، رقم الحدیث ۲۵۹۲

۱۴۔ محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ البخاري، صحیح البخاري، کتاب الأحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار، رقم الحدیث:۳۴۸۰

۱۵۔ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشیري النیسابوري، صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل.....رقم الحدیث:۱۸۲۸

۱۶۔ محمد بن إسماعیل أبو عبد اللہ البخاري، صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، وما یکرہ من البخل، رقم الحدیث:۶۰۳۸

۱۷۔ القرآن، الزمر ۳۹:۲۲۔

پروفیسر سید مناظر احسن گیلانیؒ

بحیثیت سیرت نگار محمد رسول اللہ ﷺ

ڈاکٹر شاکر حسین خان

(استاد شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی)

Abstract:
"The personality of Prof. Syed Manazir Ahsan Ghilani does not need any introduction in any educational and religious circles. He had wrote several research article and books of Islamic Studies. He tried to solve social issues in the light of the Quran, Bible and books of Hadiths.

One of the famous name in Urdu Biographic (Sirat-un-Nabi) is Prof. Ghilani. The subject of his biography is "Al.Nabi Al.Khatam". this book is an academic and research in Urdu literature. I have proved in this article that their book is an extension of the books of Sirah.

The topics discussed in this article, introduction of Usmania University. introduction of Prof. Syed Manazir Ahsan Ghilani and his Services, Urdu Biography, introduction of book "Al.Nabi Al.Khatam". References of book "Al.Nabi Al.Khatam, The life of Holy Prophet at Macca, Ejaz .ul. Quran, Revealed Books, Guardianship of Abu Talib , Midwife Halima Sadiah , Islamic war (Islamic Jihad), Religious Gathering, Battle of Badar, Number of Wife, The finality of Prophet hood, Iqbal's Poetry".

Keywords: Research,Islamic Studies, Biography, Literature, Service Midwife, Islamic war, Religious Gathering, Guardianship.

تمہید:

دکن، کی سرزمین وہ ہی سرزمین ہے جہاں اردو لکھنے کا آغاز ہوا۔ دکن کی ریاست، سلطنتِ آصفیہ علم دوست تھی، یہاں کے فرمانرواؤں نے ہمیشہ سے ہی تعلیم کی سرپرستی کی ہے۔ کئی حوالہ جاتی کتب اس دور کی یادگار ہیں جس میں فرہنگِ آصفیہ زیادہ معروف ہے۔ مشہور شعراء جو اس دور میں حیدر آباد دکن تشریف لائے اُن میں مرزا داغ دہلوی، پنڈت رتن ناتھ سرشار اور مولانا عبد الحلیم شرر وغیرہ شامل ہیں۔ مشہور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی نے ہی دکن کی شہزادی کی فرمائش پر اپنی معروف تصنیف "سیرت النبی" لکھنے کا آغاز کیا جس کو علامہ سید سلیمان ندوی نے پائے تکمیل تک پہنچایا۔ ان کے علاوہ علامہ سید مناظر احسن گیلانی بھی ہیں جو پیدا بہار میں ہوئے تھے، تعلیم بھی وہی حاصل کی اور اُن کا انتقال بھی بہار میں ہی ہوا، لیکن انہوں نے دکن کی سرزمین پر اپنی علمی و دینی خدمات پیش کیں، تصنیف و تالیف کا کام کیا اور کئی نادر و نایاب گوہر اپنے شاگردوں کی صورت میں قوم و ملت کو دیئے۔

جہاں تک سیرت نگاری کا تعلق ہے تو یہ کوئی معمولی نوعیت کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک سعادت کی بات ہے۔ اردو سیرت نگاری میں مختلف اسلوب میں مختلف دہائیوں میں سیرت پر کام کرنے والوں نے اپنے آپ کو متعارف کرایا۔ ان سیرت نگاروں، میں ایک نام، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) کے پروفیسر سید مناظر احسن گیلانی، کا بھی ہے جنہوں نے "النبی الخاتم" کے نام سے، مخصوص اسلوب میں، ایک مختصر مگر جامع کتاب لکھ کر اردو سیرت نگاروں میں اپنا منفرد نام پیدا کیا۔ کتابِ مذکورہ کا موضوع سیرت ہے۔ مقالہ نگار نے اس کتاب کا جائزہ لیا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید مناظر احسن گیلانی، اردو ادب کے ایک منفرد سیرت نگار ہیں۔

سابقہ کام کا جائزہ:

سید مناظر احسن گیلانی، کے حالات و واقعات کے متعلق ایک کتاب نظر سے گزری جس کا عنوان ہے "حیات مولانا گیلانی" جس کو مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی نے مرتب کیا ہے، کتاب مذکورہ کے اختتام پر "بعض تصانیف پر ایک نظر" کے عنوان کے تحت ان کی چند کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اُن میں ان کی کتاب "النبی الخاتم" کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اُن کی سیرت نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ کی جلد نمبر: 40، شمارہ نمبر: 3، تاریخ اشاعت: ستمبر 1937ء، میں کتاب "النبی

الخاتم" پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ کی جلد نمبر:78 ، شمارہ نمبر: 1 ، تاریخ اشاعت:جولائی 1956ء، میں اُن کی کتاب "النبی الخاتم" کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اُن کی سیرت نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ماہنامہ برہان دہلی جولائی 1956ء، کی اشاعت میں ان کی وفات پر تعزیتی مضمون شائع ہوا تھا لیکن وہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ کے جلد نمبر:79، شمارہ نمبر:3، تاریخ اشاعت: مارچ 1957ء، اور جلد نمبر:79، شمارہ نمبر:4، تاریخ اشاعت: اپریل 1957ء، میں،سید مصباح الدین عبد الرحمٰن کا مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا تھا لیکن اس مضمون میں ان کی سیرت نگاری پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔

شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور میں ایک پی ایچ ڈی سطح پر کام ہوا ہے جس کا عنوان ہے "علومِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا کردار تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ "ایوارڈ 2009ء، جس کے مقالہ نگار، امان اللہ راٹھور ہیں۔اس مقالے کے 15 صفحات میں ان کی کتاب " النبی الخاتم " پر روشنی ڈالی ہے۔ جس میں انہوں نے " النبی الخاتم " کے متعلق منظور احمد نعمانی، کے تاثرات کو نقل کیا ہے۔چند ایک مستشرقین کے اعتراضات کے دیے گئے جوابات کی مثالیں، قاضی سلیمان منصور پوری اور ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ کے حوالے سے دی گئی ہیں۔ تشنگی باقی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ باقاعدہ مکمل طور پر ان کی سیرت نگاری کا جائزہ لیا جائے۔

شخصیت:

پروفیسر سید مناظر احسن گیلانی، سادات گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ محمد ظفیر الدین مفتاحی رقم طراز ہیں کہ "مولانا سید مناظر احسن گیلانی اپنی ننھیال موضع استھانواں ضلع پٹنہ (بہار) 9 ربیع الاول 1310ھ (1894ء) کو پیدا ہوئے۔ پرورش و پرداخت کا بڑا حصہ دادھیال گیلانی میں گزارا، جہاں مولانا اس وقت ابدی نیند سو رہے ہیں۔ چچا مولانا حکیم ابو نصر صاحب اور والد بزرگوار حافظ ابو الخیر کے زیر سایہ آپ کی پرورش ہوئی۔۔ پانچ چھ سال کی عمر ہوئی تو چچا مرحوم نے بڑی محبت و شفقت کے ساتھ بسم اللہ کرائی، ابتدائی تعلیم قرآن، اردو، فارسی، اور عربی صرف و نحو کی کتابیں، گیلانی میں ہی ہوئیں۔اور اس کا بڑا حصّہ خود چچا نے پڑھایا، یہ وہ زمانہ تھا کہ گیلانی اور اطراف میں عام طور پر انگریزی کا چرچہ پھیل رہا تھا۔"[1] معلوم ہوا کہ "گیلانی" بہار کا ایک علاقہ ہے اس نسبت سے ،پروفیسر سید مناظر احسن، گیلانی

کہلائے۔ سید مناظر احسن، بہار کے علاقے گیلانی کے رہنے والے تھے۔ اُس وطن، گیلان / جیلان کے رہنے والے نہیں تھے جہاں کہ مشہور صوفی بزرگ، شیخ سید عبد القادر جیلانی تھے۔

گیلانی صاحب کو ان کے چچا نے درسیّات کی تکمیل کے لیے مولانا عبد الحق خیر آبادی (بن علامہ فضل حق خیر آبادی، روح رواں جنگ آزادی 1857ء) کے تلمیذِ رشید مولانا برکات احمد صاحب کے پاس ضلع ٹونک بھیج دیا۔ جیسا کہ مولانا گیلانی نے خود لکھا ہے کہ "دیوبند کی حاضری سے پہلے سات آٹھ سال تک خود اس فقیر کو جس مدرسہ میں پڑھنے کا ذاتی تجربہ ہوا ہے، علم حدیث کے سوا شُد بُد کی جو کیفیّت بھی اپنے اندر پاتا ہوں وہ زیادہ تر اسی مدرسہ کی تعلیم کا نتیجہ ہے، میری مراد سیّدی الاستاذ حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی نزیلاً و بہاری وطناً رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم گاہ سے ہے۔"2

غلام محمد کے بقول، گیلانی صاحب، کا تقرر بحیثیت لکچرار جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) شعبہ دینیات، 1920ء میں ہوا پھر ترقی کرتے ہوئے صدر شعبہ کی حیثیت سے 1929 میں ریٹائر ہو گئے۔ ریاست حیدر آباد کے سقوط اور حالات کی ابتری کی وجہ سے اپنے وطن گیلان لوٹ گئے اور تاحیات وہیں رہے، 5 جون 1956ء کو وفات پا گئے۔3

انہوں نے اپنے تلامذہ کو جدّت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ انہوں نے اپنے تلمیذہ سے اسلامی علوم پر جو علمی و تحقیقی مقالات لکھوائے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ نمونے کے طور پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتب کو دیکھا جا سکتا ہے۔

گیلانی صاحب ایک پائے کے قلم کار تھے۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے بقول "ایک خاص طرزِ انشاء کے مالک تھے۔ اور اُس میں کسی کے مقلد نہیں خود اس کے موجد تھے۔ تحریر کا سب سے بڑا وصف بے ساختگی و برجستگی تھی جب اور جس موضوع پر قلم اٹھایا بس لکھتے ہی چلے گئے۔ جو عنوان دوسروں کو پامال نظر آتے تھے ان میں بھی وہ نئے نئے نکتوں کے انبار لگا دیتے تھے۔ خشکی ان کا قلم جانتا ہی نہ تھا تحریر کی سطر سطر جاندار ہوتی۔"4

علامہ گیلانی نے کئی مضامین اور کتابیں تحریر کیں۔ ان میں، تدوین قرآن، تدوین فقہ، تدوین حدیث، الدین القیم، دربار نبوت کی حاضری، النبی الخاتم، حضرت ابو زر غفاری، اسلامی معاشیات، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (2

جلدیں)، سوانحِ قاسمی (3 جلدیں)، عبقات، مقالات احسانی، تذکرہ شاہ ولی اللہؒ ہزار سال پہلے، احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، اور، حضرت اویس قرنی، شامل ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "النبی الخاتم" ہے۔

اردو سیرت نگاری:

اسلامی علوم میں سیرت نگاری ایک خاص اہمیت کی حامل اور ایک سعادت مندی کا کام بھی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے بہترین طرز عمل ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں معلومات کا ایک ذریعہ کتب سیرت طیبہ ہیں۔ مختلف ادوار میں مختلف اسلوب میں مختلف زبانوں میں سیرت النبی ﷺ کے عنوان کے تحت مقالات، مضامین اور کتابیں نظم و نثر کی صورت میں لکھی گئیں جن کی ایک لمبی تفصیل ہے۔ عصر حاضر میں تو نئی جہتوں سے جدید علوم و فنون میں سیرت طیبہ پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ اب تو انٹرنیٹ پر بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے متعلق مواد دستیاب ہے۔

سیرت طیبہ پر سب سے زیادہ کام اردو زبان میں ہوا اور بہت سی عربی و فارسی کتب سیرت کے اردو تراجم بھی ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں کتب سیرت کی تالیفات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ جہاں تک اردو میں سیرت نگاری کی ابتداء کا تعلق ہے تو اس کا آغاز اس وقت شروع ہو گیا تھا جب اردو زبان ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ ڈاکٹر تحسین فراقی رقم طراز ہیں "اردو میں منظوم کتب سیرت کا آغاز گیارہویں صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔ جب کہ نثر میں اس کا آغاز تیرہویں صدی ہجری میں ہوا، دکن میں کثرت سے میلاد نامے، معراج نامے، نور نامے، وفات نامے اور شمائل نامے لکھے گئے، ان میں اکثر نظم میں تھے۔ چند نثر میں اور بعض ایسے بھی ہیں جن میں نظم و نثر دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ چناں چہ ویلوری کی روضۃ الانوار سے لے کر دلی دکنی کے نعتیہ قصیدے تک اور پھر بعد کی دو صدیوں میں ان منظوم سیرت اور کتب سیرت کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز ہے۔"[5] سید ابو الخیر کشفی رقم طراز ہیں "اردو میں سیرت نگاری کے دور کا حقیقی آغاز سر سید اور ان کے رفقاء سے ہوا ان کے دینی افکار سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ اسلام ان کے فکری شخصیت اور تحریک کی اساس ہے۔ اس عہد میں جو میلاد نامے ہماری محفلوں میں پڑھے جاتے تھے ان میں بے حد ضعیف اور کمزور روایتیں جگہ پا چکی تھیں۔ یہ صورت حال بڑی تکلیف دہ تھی۔ سر سید احمد خان اور حالیؔ نے اسے وقت کی اہم ضرورت سمجھا کہ میلاد کی مجلسوں کے لیے سیرت کی ایسی مختصر کتابیں

لکھی جائیں جن میں ثابت شدہ روایات ہوں اور موضوعی روایات و احادیث سے دامن بچایا جائے۔ سر سید کی جلاء القلوب بذکر المحبوب اور حالی کے مولود شریف سے اس سلسلے کا آغاز ہوتا ہے بعد میں اسی نمونہ پر مولانا راشد الخیری نے آمنہ کا لال اور سیماب اکبر آبادی نے زنانہ میلاد لکھا۔"6

تحقیق و تنقید کا سلسلہ آگے بڑھا کتابوں کی طباعت و اشاعت ہوئی۔ متعدد سیرت نگاروں نے سیرت نگاری پر قلم اٹھایا۔ مختلف مسالک و مکاتب اور فکر و نظر سے تعلق رکھنے والے قلم کاروں نے سیرت طیبہ پر کتابیں لکھیں۔ اردو سیرت نگاری کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے سید مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں "اردو زبان میں اس (سیرت نبوی) کا ذخیرہ موجود ہے۔ خصوصاً پچھلے چند سالوں میں قاضی سلیمان مرحوم منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" چودھری نواب علی صاحب نے "تذکرۃ المصطفیٰ"۔ سیرت الرسول، ڈاکٹر عبد الحکیم مرحوم نے "النبی والاسلام" اور آخر میں علامہ شبلی مرحوم اور ان کے جانشین برحق مولانا سید سلیمان ندوی نے "سیرۃ النبی ﷺ" کے ذریعہ سے اُردو زبان کو "مضامین سیرت طیّبہ" سے مالا مال کر دیا ہے۔ تا آنکہ دوسری اسلامی زبانوں کو بھی اُردو کی اس جامع، شگفتہ اور مستند کتاب کا ترجمہ کرنا پڑا۔"7 علامہ گیلانی کے ہم عصر سیرت نگاروں میں، قاضی سلیمان منصور پوری، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، چودھری نواب علی اور ڈاکٹر عبد الحکیم وغیرہ شامل ہیں۔

تعارف، النبی الخاتم:

ہمارے زیر مطالعہ، سید مناظر احسن گیلانی، کی کتاب 'النبی الخاتم" ہے جو کہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، دستگیر کالونی 9، کراچی کا مطبوعہ ہے جس پر سن اشاعت، مذکور نہیں، یہ بھی یاد رہے کہ کتابِ مذکورہ پہلے پہل مکتبہ علمیہ، حیدر آباد، دکن، سے 1937ء شائع ہوئی تھی۔8

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جلد نمبر:40 شمارہ:3، بابت: ستمبر 1937ء کے شمارے میں لکھا گیا کہ "مولانا نے اپنے خاص والہانہ رنگ میں سیرۃ پاک کے واقعات کو ایک خاص انداز اور ترتیب کے ساتھ پیش کر کے نہایت لطیف نتائج پیدا کیے ہیں۔ اس حیثیت سے یہ کتاب اپنے طرز میں منفرد ہے کہ تاریخی واقعات کو وارفتگی بیان کے ساتھ نبھایا گیا ہے کہ ناقد مورخین اور ارباب وجد و حال دونوں اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اٹھا سکتے ہیں، زبان صاف و سادہ لیکن صنائع لفظی سے مالا مال ہے۔"9

سید مناظر احسن گیلانی، اپنی کتاب "النبی الخاتم" کے متعلق تحریر کرتے ہیں "اس کتاب کا، بلکہ مختصر سے "رسالہ "یا" مقالہ "کا تعلق "سیرت طیّبہ "علیٰ صاحبہا الصلوۃ وسلام وتحیّہ سے ہے۔ لیکن ارادۃً اس میں "سیرت "کے واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ بجائے "واقعات "کے صرف نتائج سے بحث ایک خاص نقطہ ءِ نظر کو پیش رکھ کر کی گئی ہے۔"10

گیلانی صاحب رقم طراز ہیں "میری عرض فقط اس قدر ہے کہ بجائے واقعات کے صرف نتائج پر مطلع ہونے کے لیے یہ رسالہ جو چوتھی بار شائع ہو رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور شاید نا مسلمانوں (غیر مسلموں) کے لیے بھی مفید ثابت ہو گا۔"11

مولانا حسن مثنیٰ ندوی رقم طراز ہیں "النبی الخاتم، یہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک غیر ضخیم تصنیف ہے۔ مولانا بڑے فاضل، محقق اور وسیع النظر عالم تھے ان کی تحریر میں سوز و گداز بھی ہے۔ والہانہ کیفیت بھی اور محققانہ اشارات بھی۔"12 مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے پیش کیے گئے اقتباس سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ گیلانی صاحب خالص اسلام کے آدمی تھے ان کی کسی دینی مکتب و مدرسے سے نسبت قائم کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے۔

گیلانی صاحب کی کتابِ مذکورہ کے عنوانات کی فہرست ملاحظہ کیجیے:

دیباچہ، مکی زندگی، قرآن مجید اور سیرت محمدی کی تاریخیّت، والدین کی وفات، عبد المطلب کی کفالت اور ان کی وفات، دائی حلیمہ سعدیہ، ملک عرب، قریش اور قریش کی حالت، ایّام طفولیّت اور شغل گلہ بانی، حجرِ اسود کا جھگڑا، نکاح، خلوت پسندی، ابتدائی وحی، تعذیب صحابہ، ہجرت حبشہ، نجاشی کے دربار میں جعفر طیّار کی تاریخی تقریر، ذاتِ مبارک کے ساتھ ایذاء رسانیوں کا آغاز، ابو طالب کو توڑنے کی کوشش، شعب ابی طالب، واقعہ معراج کے متعلق چند اشارات، شعب ابی طالب کے مصائب کی قیمت، واقعہ معراج، حضرت ابو طالب اور خدیجہ کی وفات، طائف کی روانگی، طائف سے واپسی، جبرئیلؑ امین کا ظہور طائف کی راہ میں، جنوں سے ملاقات اور بیعت، مدینہ والوں سے پہلی ملاقات، انصار مدینہ کی پہلی ملاقات، دارالندوہ کا آخری فیصلہ اور ہجرت، سفر ہجرت کا آغاز اور اس کے واقعات، سفر ہجرت میں سراقہ سے گفتگو، مدنی زندگی، بناء مسجد وصفّہ، تحویل قبلہ کا راز، مواخاۃ اور اس کا فائدہ، اذان کی ابتداء، تبلیغ عام کا آغاز، مشکلاتِ راہ، غزوہ بدر، عہد نبوت کے جہاد میں شہداء اور مقتول کی اٹھارہ سو

تعداد، بیرون عرب میں تبلیغ کا کام، اسلامی جہاد کی ترتیب، ازواجِ مطہرات، مدینہ میں دنیا کے مذاہب کا اکھاڑہ، حضرت عائشہ صدیقہ کی حیثیت، ختمِ نبوت۔

سیرت نگاری کے چند نظائر:

گیلانی صاحب کی سیرت نگاری کے چند نظائر ملاحظہ کیجیے:

ماخذِ کتاب:

گیلانی صاحب، نے جیسا کہ پہلے ہی بتادیا کہ " ارادۃً اس میں "سیرت " کے واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ بجائے "واقعات " کے صرف نتائج سے بحث ایک خاص نقطہ ءِ نظر کو پیش رکھ کر کی گئی ہے۔"13؎

کیوں کہ اس کتاب میں مصنف نے واقعات کے نتائج کو ایک خاص نقطہ ءِ نظر سے پیش کرنے کی سعی کی ہے۔اس لیے اس مختصر کتاب میں ضمناً جن کتب کے اسماء آئے ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

قرآن مجید،(کتاب اللہ)، بائیبل(عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید)، زرقانی، مسند بزاز، مسند امام احمد بن حنبل(امام احمد بن حنبل)، الصحیح البخاری(اسمٰعیل بخاری)، الصحیح المسلم(امام مسلم)، القول الصحیح ملغامتہ(الفرائبی)، کتاب الشفاء(قاضی عیاض)، خطبات احمدیہ(سرسید احمد خان)، الفوز الکبیر(شاہ ولی اللہ دہلوی)، فجر الاسلام(ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری)، سیرت النبی(شبلی)، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، رسالہ ترجمان القرآن شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مکی زندگی:

گیلانی صاحب کتابِ مذکورہ کے پہلے عنوان "مکی زندگی " کا آغاز اس طرح کرتے ہیں "یوں تو آنے کو سب ہی آئے سب میں آئے سب جگہ آئے(سلام ہو ان پر)بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجیے ان میں جو بھی آیا جانے کے لیے آیا۔"14؎

گیلانی صاحب کا اسلوب دیکھیے دو سطروں میں کتنی آیاتِ قرآنی کی ترجمانی کر دی گویا"سمندر کو کوزے میں سمو دیا" کے مترادف ہوا۔یہاں "یوں تو آنے کو سب ہی آئے "سے مراد تمام انسانوں کا آنا نہیں بلکہ انبیاء کرام کی آمد کی بات کی ہے۔اور"سب میں آئے "یعنی ہر قوم میں آئے۔اور "سب جگہ

آئے "یعنی ہر بستی ہر خطہ میں آئے۔ قوسین میں لکھا" سلام ہو ان پر "یعنی تمام مرسلین پر سلام ہو، اور" بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے "یعنی آپ انبیاء کرام کے حالات و واقعات ملاحظہ کیجیے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں، انبیا کرام کی توہین کی گئی یہاں تک کہ انہیں قتل کیا گیا، مثلاً زکریا علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی کوشش و سازش کی گئی جس میں وہ لوگ ناکام ہوئے اور اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔ اُن انبیاء کرام میں بعض ہجرت پر مجبور ہوئے اور انہوں نے اپنی جان کی حفاظت کی۔ جیسا کہ متعدد انبیا کرام کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے مثلاً براہیم، یونس، عیسیٰ اور محمد رسول اللہ علیہم السلام۔ اب یہ کہ " ان میں جو بھی آیا، جانے کے لیے آیا "یعنی ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ۔ 15 "اور محمد (ﷺ) تو رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول آ چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم کیا الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا۔ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو جزاء دے گا۔"

گیلانی صاحب کی ایسی تحریر پڑھ کر طالبانِ قرآن کا ذہن قرآن مجید کے مضامین کی جانب متوجّہ ہو جاتا ہے۔ اسی پیراگراف کی اگلی سطور بھی ملاحظہ کیجیے "پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔" 16

الفاظ کا چناو دیکھیے "جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا"۔ لفاظی دیکھیے جو بے سبب نہیں "چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔"

گیلانی صاحب، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، عنوان سنسکرت وید، کے حوالے سے مصلح وہادیوں کی الہامی تعلیمات کو فراموش کرنے والوں کی منظر کشی ہندوستان کے تناظر میں کرتے ہیں " تاریخ کے تحقیقی ہاتھوں نے ہندوستان کے رہنماؤں اور ان کی امتوں کے درمیان جو اندھیری کھائیاں کھودی ہیں اور مسلسل کھدتی چلی جا رہی ہیں کیا اب آدمی کے بس میں ہے کہ ان کو پاٹے؟ کن پر اُتری؟ کہاں اُتری؟ کن کن زبانوں میں اُتری؟ نظم میں اتری کہ نثر میں اُتری صدیوں میں اتری؟ جگوں میں اُتری؟ جب ان تمام

بنیادی سوالات پر ایسے سوالات پر جن کی تحقیق کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ اٹکا ہوا ہے تم خود جانتے ہو کہ ان پر اندھیرا اور گھپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، بتاؤ کہ شک کی ان دلدلوں میں یقین کا قدم کس طرح اٹھایا جائے۔؟

اعجاز قرآن:

گیلانی صاحب، قرآن مجید کے اعجاز کے پس منظر میں لکھتے ہیں"کیسی عجیب بات ہے کہ تقریباً دوہزار سال سے جس خاکستری توراۃ کے بھی صرف ترجموں، غلط سلط ترجموں اور ترجموں کا دنیا میں رواج ہو، جس میں ایسے واقعات اور اسماء بکثرت پائے جاتے ہوں، جو قطعی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ہیں، اُفؔ جس میں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات، ان کی تجہیز و تکفین تک کی داستان درج ہو(استثنا باب34) کسی میں جھوٹ کو برداشت کرنے کی اتنی صلاحیّت ہے کہ اس کو پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب قرار دے۔"17؎

آپ نے ملاحظہ کیا کہ گیلانی صاحب نقد، عقلی اصولوں کے مطابق دلائل سے کرتے ہیں۔

سابقہ کتب سے استفادہ:

سابقہ کتب میں ترمیم کے باوجود اس آخری آنے والے ہادی و مہدی، محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کا ذکرِ خیر جابجا موجود ہے۔ گیلانی صاحب، کی کتاب "النبی الخاتم" میں بائیبل (عہد نامہ قدیم، عہد نامہ جدید) کے حوالے جابجا نظر آتے ہیں۔ بالخصوص صفحات نمبر: اکیس(21)،ستائیس(27)، اٹھائیس (28)،انیتس(29)، تیس(30)، اکتیس(31)، اڑتیس(38) ،چالیس(40) ،اکتالیس (41) اور اڑتالیس(48)وغیرہ ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

گیلانی صاحب ایک مقام پر، باب یوحنا کا حوالہ "حجرِ اسود کا جھگڑا" کے تناظر میں دیتے ہیں آپ بھی ملاحظہ کیجیے "جو درندوں کے مانند، ٹھیک درندوں کے مانند ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے والے تھے۔ان پھٹنے والوں کو کتنی آسانی سے جوڑ دیا، آڑے وقتوں کے یہی تجربات تھے۔ جس نے باوجود الگ تھلگ رہنے کے اس کی قوم جیسے سنگین دلوں پر اس کے امین و صادق ہونے کا نقش کندہ کر دیا تھا۔ تا کہ کہنے والے کی وہ بات پوری ہو جو صدیوں پہلے کی گئی تھی۔"امین صادق کہلاتا ہے اور اس کا نام لکھا ہوا ہے جسے اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"(مکاشفہ یوحنا، باب19۔11)یوں ہی وہ اپنی زندگی کی مختلف منزلوں میں پدری قوت، مادری قوت، خاندانی قوت، وطنی قوت، قومی قوت، ہر ایک بڑے زور سے توڑتا، پھوڑتا، جھٹلاتا ہوا مسلسل چلا آیا۔"18؎

گیلانی صاحب نے اس کتاب میں متکلمانہ اسلوب اپنایا ہے اور اپنے دلائل کو انجیل مقدس سے ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

ابو طالب کی کفالت:

ہمارے سیرت و تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابو طالب نے حضور ﷺ کی کفالت کی، لیکن گیلانی صاحب، نے یہ سرخی دی "ابو طالب کی کفالت۔" گیلانی صاحب، تاریخ کی ایک بڑی سنگین غلطی کی، احسن طریقے سے نشاندہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں "کیسی عجیب بات ہے جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتے اور جعفر، عباس (بن عبد المطلب) کی، یا علی (رضی اللہ عنہ) اس (محمد ﷺ) کی گود میں ڈال دیئے گئے، جن کی گود میں پلنے کے لیے پیدا ہوئے تھے، تو پھر یہ کیسا بے بنیاد، وہم ہے کہ جس کو خود قدرت کا ہاتھ براہِ راست پال رہا تھا، اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی، اگر سمجھا جائے تو شاید عمر کا ایک حصہ اسی بل بوتے بوتے پر گزرا جو ان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے۔"19ے

رسول اللہ ﷺ کے دادا جان کے بعد آپ ﷺ کی پرورش کس نے کی؟ یہ ایک تحقیقی نوعیت کا سوال ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر دادا جان عبد المطلب (سلام علیہ) کی وفات کے بعد آپ کی کفالت آپ کے چچا، سردار قبیلہ بنو ہاشم زبیر بن عبد المطلب نے کی۔ لیکن گیلانی صاحب، کا مختار قرآن مجید کی یہ آیت ہے: أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ۔ 20ے "کیا اس نے آپ کو یتیم پایا تو ٹھکانہ نہ دیا۔"

یعنی آپ ﷺ کی کفالت و حفاظت غائبانہ طریقے سے خود اللہ رب العلمین نے فرمائی اور با حفاظت مدینہ طیبہ پہنچایا۔ گیلانی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں "حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے معاشی مشکلات سے تنگ آکر بالآخر اپنے ایک بیٹے جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بھائی عباس کے حوالے پرورش کے لیے کر دیا تھا۔ اسی طرح دوسرے بیٹے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ کے سپرد دیے گئے تھے، ماسوا اس کے تقریباً سیرت و تاریخ کو عام کتابوں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی جزر معاشی، تنگ حالی کی داستان موجود ہے۔"21ے

دائی حلیمہ سعدیہ:

گیلانی صاحب، تاریخ کی ایک اور سنگین غلطی کی، نشاندہی کرتے ہوئے "دائی حلیمہ سعدیہ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں" فہموں کی قلابازیاں اس مسئلہ میں بھی تقریباً اسی قسم کی ہیں جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا، کے متعلق سمجھ کے پھیر سے بلاوجہ پیدا ہوئیں۔ آپ ﷺ کو حلیمہ رضی اللہ عنہا سے دودھ ملا، یا حلیمہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی، حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریوں، حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر، حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں بلکہ آخر میں قبیلہ والوں تک کو، ان سب کو، دودھ آپ ہی کے ذریعہ سے ملا؟ اس میں واقعہ کیا ہے، اس کو سب جانتے ہیں، لیکن نہیں جانتے یا جاننا نہیں چاہتے۔"22ے

گیلانی صاحب، قرآنی آیات کا حوالہ نہیں دیتے لیکن قرآنی مفہوم کو ہی لکھتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گیلانی صاحب نے سیرت بالقرآن لکھی ہے۔ اب ہم قرآن مجید کی ایک آیت کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں، جو اس مضمون سے تعلق رکھتی ہے، ملاحظہ کیجیے: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ۔23ے" اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دیں تھیں۔"

یعنی اللہ کے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ماں کے سوا دوسری عورتوں کا دودھ حرام قرار دے دیا تھا۔ اور ہم نے کیا کیا؟ ہماری تاریخی روایات کیا کہتی ہیں؟ یہی تو کہ ابولہب کی لونڈی ثویبیہ نے سب سے پہلے دودھ پلایا۔ زرا غور فرمایئے کہیں ہم غیر دانستہ، توہینِ رسالت کا ارتکاب تو نہیں کر رہے۔ گیلانی صاحب، نے حلیمہ سعدیہ، رضی اللہ عنہا، کے حوالے سے صرف اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ البتہ یہاں ایک تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ پہلے نبیوں پر دوسری عورتوں کی رضاعت حرام ہو اور حضور ﷺ کے لیے جائز قرار دے دی گئی ہو۔

اسلامی جہاد:

گیلانی صاحب رقم طراز ہیں "یہی یہودی جن کا خون ہر زمانہ اور ہر ملک میں تقریباً ہر صدی میں ارزاں رہا ہے اور اب تک ہے جب خون کے مستحق ہو چکے تھے اور ہر اعتبار سے ہو چکے تھے لیکن اُن کے ہزاروں کے خون کو صرف کعب بن اشرف اور رافع بن حقیق، دو ہی آدمیوں کے خون سے کیوں محفوظ کر دیا گیا۔ بہت بڑا خیر وہ شر ہے جس کے ذریعہ سے کسی عظیم و جلیل شر کا سدِباب ہوتا ہو، قصاص میں زندگی ہے آخر اس قانون میں اور کیا ہے، ان دونوں کی موت میں ان تمام یہودیوں کی زندگی کی

ضمانت تھی جو اُن کے بعد زندہ رہے، پھلے پھولے، ورنہ جو منصوبہ ان دونوں نے پکایا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عرب سے یہودیوں کا اسی وقت نام نشان جاتا رہتا، جیسا کہ ہمیشہ اسی قسم کے بد باطن یہودیوں نے اپنی قوم پر ہر ملک میں ہر زمانہ میں زندگی تلخ کی ہے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔"24ے

مسلمانوں میں گندی باتوں کا پرچار، غلط باتوں کی تشہیر، توہین آمیز خاکے، نائن الیون کا واقعہ، مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام، عراق، افغان اور لبنان کی تباہی، یہ سب بعض، بد باطن یہودیوں کی کارستانیاں ہیں۔ دنیا بھر کے امن پسند انسانوں کو انسان دشمن عناصر کی سازشوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ گیلانی صاحب لکھتے ہیں"یورپ کی گزشتہ عالمگیر جنگ کے متعلق محقق نے بالآخر یہ ثابت کیا کہ اس کی تہہ میں امریکہ اور یورپ کے یہودی ساہوکاروں کا ہاتھ تھا۔"25ے

گیلانی صاحب، اسلامی جہاد، کے حاشیہ میں لکھتے ہیں"جرمنی میں ہٹلر نے ان پر زندگی جس طرح تنگ کی ہے سب کو معلوم ہے۔ یہ تفسیر ہے قرآن کی آیت کی"وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ۔ 26ے"تیرے ربّ نے جب اعلان کیا کہ قیامت تک یہودیوں پر کسی کو اٹھاتا رہے گا جو ان کو بُری طرح کا عذاب چکھائے گا۔"27ے گیلانی صاحب نے آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے، یہ ان کا تفرد ہے۔

مذاہب کا اکھاڑا:

گیلانی صاحب، نے مذاہب کا اکھاڑا، کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ"وہ نہ لندن ہے، نہ پیرس حتیٰ کہ بمبئی بھی نہیں اور کلکتہ بھی نہیں، بلکہ سونچو تو بیابان کی اس کی کوروہ آبادی کی تمدنی و عمرانی لحاظ سے وہی حیثیت بھی نہیں جو ہندوستان کے معمولی اصطلاحی شہروں اور قصبوں کی ہے لیکن دُنیا کے اسی دور افتادہ ویران، ریگستان نخلستان میں حیرت ہے کہ سارے جہان کے مذاہب و ادیان اس لیے اس کے آگے پیش ہوتے ہیں کہ تردید و تکذیب نہیں بلکہ سب کی تصدیق، سب کی تصحیح، سب کی تکمیل، عملی شکل میں ممکن ہو، کہ وہ کذب نہیں، بلکہ مصدق تھا اور یہی اس کے دعوے کا سب سے امتیازی نشان ہے۔ ہندو مذہب تو وثنیت کی شکل میں مکہ ہی میں موجود تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کے آگے دنیا کا دوسرا عالمگیر مذہب یہودیت بھی سامنے آگیا، اس کے ساتھ خود" مدینہ "میں وہ" نصرانیت" بھی موجود تھی۔ جس کے زیرِ اثر دنیا کی آبادی کا بڑا حصّہ اُس وقت بھی تھا، اور اِس وقت بھی ہے اس کے حلقہ میں مجوسی اور ایران کے آتش پرست زرتشی بھی شریک تھے، اور اِرد گرد میں ایک فرقہ صابئوں کا بھی تھا جس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ عرب کے صابئون کا تعلق بودھ مذہب کے سادھوؤں سے تھا، یا اُن کے سوا کوئی اور فرقہ تھا جسے دنیا اب نہیں جانتی۔ الغرض کوہستان کی اس چھوٹی سی بستی میں یہودیت، عیسائیت، ہندویت یا ثنیت، مجوسی

اور اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ بودھیت اپنے تمام مفاسد کے ساتھ موجود تھے۔ جن کے دھونے، اور جن سے پاک کرنے کے لیے وہ اٹھایا گیا تھا، پس اس نے ان سب کو دھویا، ان سب کو پاک کیا، صاف کیا جس میں جو کمی تھی سب کو پورا کیا اور قیامت تک کے لیے پورا کیا۔"28

گیلانی صاحب، نے جس بات کی نشادہی کی اس میں ان کو تفرد حاصل ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی و ہادی ہیں جس کا ذکر تمام سابقہ کتب میں وارد ہے اس آنے والے آخری ہادی کا دنیا انتظار کر رہی تھی سب کو معلوم تھا کہ وہ آخری آنے والا مکہ معظمہ (بکہ / امّ القریٰ) پتھروں والے شہر میں آئے گا۔ اس کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہو گا اور کھجوروں والے شہر (یثرب / مدینہ) ہجرت کرے گا۔ اس لیے دنیا کے اکثر مذاہب اس آخری شہکار کے انتظار میں ارد گرد جمع ہو گئے تھے۔ تاکہ ان پر ایمان لائیں اور دین اسلام کو پھیلانے اور اس کے نفاذ کے لیے ان کی نصرت کریں۔

غزوہ بدر:

گیلانی صاحب، غزوہ بدر، کے عنوان کے تحت بائبل کی آیت سے آغاز کرتے ہیں اور بائبل کی آیت کے پہلے لفظ "قیدار" کے متعلق حاشیہ میں لکھتے ہیں "حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام قیدار تھا جن کی نسل سے قریش تھے۔ اسی لیے بائبل میں ان کا ذکر قیدار کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔29

گیلانی صاحب، بائبل کی آیت نقل کرتے ہیں "قیدار کی ساری حشمت جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا تھا، ایک سال، ٹھیک مزدوروں کے ایک سال کے اندر بھس کی طرح جل کر راکھ ہو جاتی ہے، علو د کبریائی کا جو نشہ ان کے قدم کو جمنے نہیں دیتا تھا۔ پھٹ کر ہوا ہو گیا۔ جو سب سے بڑا تھا۔ سب سے چھوٹے کے ہاتھوں قتل ہوا قریش کے ستر سورما مارے گئے اور یوں قیدار کی حشمت خاک میں مل گئی۔30

گیلانی صاحب، نے بائبل کی آیت نقل کرنے کے بعد حاشیہ میں لکھا ہے کہ "ابو جہل جس کا دوسرا خطاب "فرعون ہٰذہِ الامۃ" تھا، ایک کم سن انصاری لڑکے کی تلوار سے قتل ہوا، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نے جب اس کا سر کاٹنا چاہا تو اُس کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہو گیا، "سردار کی گردن ہے ذرا نیچے سے تراشنا تاکہ مقتولوں کی صف میں جب میرا سر رکھا جائے تو اونچا نظر آئے۔"31 مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ گیلانی صاحب صاحب کی قرآن مجید، سابقہ کتب، کتبِ حدیث، کتب تاریخ پر گہری نظر تھی۔

تعدّد ازدواج:

رسول اللہ ﷺ نے جو نکاح فرمائے اس تناظر میں گیلانی صاحب، لکھتے ہیں "ہیکل کی خدمت کے لیے عمران کی عورت نے صرف ایک لڑکی پیش کی تھی پھر دیکھوً اس کنواری کے آڑ میں چرچوں پر، گرجاؤں پر، اُن کے اماموں پر، خطیبوں پر، رہبانوں پر، بطریقوں پر، کتنی کنواریاں روز بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں۔ خدانخواستہ اگر کسی ایک اجنبی عورت کو نزدیکی کی حیثیت دی جاتی جو باہر میں مردوں کو حاصل تھی، کون اندازہ کر سکتا ہے کہ بعد کو آدم رُو ابلیسوں کے لیے قرب و نزدیکی کا حیلہ کن خباثتوں اور شرارتوں کی بنیاد بن جاتا جب کوئی نمونہ نہیں موجود ہے۔ اس وقت تو بغیر نمونہ کے زندگی گزارنے والوں نے فتنے برپا کیے، خدانخواستہ اگر نیم بیضہ بھی میسّر آجاتا تو پھر تسخ میں کتنے ہزار مُرغ گتھے جاتے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے! الغرض ان عورتوں کو بیوی کا مقام عطا کیا، اور جس کو انسان سوچ نہیں سکتا اس حد تک ان کے ساتھ حقیقی عدل اور برابری کا نمونہ اس نے پیش کیا، جس کا دماغ عالمگیر حکومت، عالمگیر سیاست، ہمہ تعلیم و تربیت کی اُلجھی پیچ در پیچ گتھیوں کے سلجھانے میں اسی وقت مصروف تھا جس وقت عائلی خانگی کی ژولید گیوں کو بھی بہ کشادہ پیشانی حل کر رہا تھا، اور اسی آسانی کے ساتھ حل کر رہا تھا کہ خواہ اس کی مدت کتنی ہی کم ہو۔"32

گیلانی صاحب، پھر اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نکاح کا سلسلہ ہجرت کے بعد شروع ہوا اس میں بھی عموماً آخر میں حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر تین ساڑھے تین سال سے زیادہ ماہانہ ان کی ازواج کو نکاح کے بعد نہ ملا اور یہی زمانہ آنحضرت ﷺ کے جہادی اور حج وغیرہ کے اسفار کا ہے، اس کا اور عدل کے قانون پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ تریسٹھ سال کی پوری زندگی میں عموماً ان بیویوں کے پاس آنحضرت ﷺ کے قیام کی مدت تین ساڑھے تین مہینہ سے زیادہ نہیں ہوتی جو تعلیم کے لیے بھی کافی ہے اور جن شکوک و شبہات کا پروپیگنڈا دشمنوں نے کیا ہے۔ اس کی تردید کے لیے بھی، یہ سب کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اتنی شادیاں کیں، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کب ہوئیں اور اُن عورتوں کے ساتھ قیام کی مدت تریسٹھ سال کی عمر میں کتنی ہے۔"33

ختمِ نبوت:

گیلانی صاحب، ختمِ نبوت کے حوالے سے لکھتے ہیں "چودہ سو سال کا یہ تجربی مشاہدہ ہے حالانکہ اس سے پہلے تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ چار پانچ سو سال کے اندر کوئی نبی نہ آیا، اس کی ضرورت نہ پیدا ہوئی ہو۔ اگرچہ کُھلے کُھلے صاف غیر مبہم لفظوں میں بار بار اس کی منادی بھی کر دی گئی تھی اور نبوت و رسالت کے سلسلہ میں یہ پہلی منادی تھی کہ اب آسمان کا پیغام لے کر زمین والوں کے پاس کوئی نہیں آئے گا، یہی وجہ ہے کہ ختمِ نبوت کی اس سنگین مہر سے جو بھی ٹکراتا ہے وہی پاش پاش ہو جاتا ہے اور قدرت کی چٹان پر سر مارنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔"34 مذکورہ تبصرے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ختمِ نبوت کا نتیجہ بہترین اور جامع انداز میں تحریر کر دیا ہے۔

اشعار:

گیلانی صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب " النبی الخاتم " میں اشعار کا بھی استعمال کیا ہے۔ ایک مقام پر کہتے ہیں، ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا:

؎ ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے 35

گیلانی صاحب، اپنی مذکورہ کتاب کا اختتام ڈاکٹر اقبال کے ان اشعار سے کرتے ہیں:

؎ قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے۔۔۔۔ دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

؎ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے۔۔۔۔ نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے۔ (اقبال) 36

ایک مقام پر حضرت امجد کا شعر نقل کرتے ہیں:

؎ جو نظر آتے ہیں، نہیں اپنے جو ہے اپنا نظر نہیں آتا 37

خلاصہ:

پیش کی گئی مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پروفیسر سید مناظر احسن گیلانیؒ ایک پائے کے محقق، مدبر، عالم، استاد اور سیرت نگار تھے۔ انہوں نے تحقیقی و متکلمیانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے قرآنی فکر کے تناظر میں مختصر مگر جامع انداز میں سیرت طیبہ پر "النبی الخاتم" کتاب لکھی۔ جو جدید سیرت نگاروں کے لیے ایک بہترین راستہ اختیار کرنے کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات وتعلیقات

1۔ مفتاحی، محمد ظفیر الدین، حیاتِ مولانا گیلانی،(کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام،1994ء)،ص:38

2۔ مفتاحی، محمد ظفیر الدین، حیاتِ مولانا گیلانی،(کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام،1994ء)،ص:40

3۔ گیلانی،سید مناظر احسن، تذکرہ شاہ ولی اللہ،(لاہور، نوید پبلشرز، اگست 2003ء)،ص:9

4۔ عبد القوی دریابادی، وفیاتِ ماجدی،(کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، سن ندارد)،ص:77

5۔ فراقی، ڈاکٹر تحسین، عبد الماجد دریا آبادی احوال وآثار،(لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ،1993ء)،ص:366

6۔ نثار احمد (ایم اے)، نقش سیرت، کراچی، ادارہ نقش تحریر کراچی،1968ء)،ص:64

7۔ گیلانی، مناظر احسن، سید، النبی الخاتم،(کراچی، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، سن ندارد)،ص:10-9

8۔ سہیل شفیق، محمد، اشاریہ معارف۔ اعظم گڑھ، کراچی، قرطاس، بار اول، اپریل2006)،ص:362

9۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جلد:40، شمارہ:3، ستمبر1937ء،ص:236

10۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:9

11۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:10

12۔ پھلواری، جعفر رضا، پیغمبرِ انسانیت،(لاہور، ثقافتِ اسلامیہ، طبع چہارم،1995ء)ص:12

13۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:9

14۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:11

15۔ سورہ آل عمران(3) آیت:144

16۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:11

17۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:21

18۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:39۔40

19۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:34

20۔ سورۃ الضحیٰ(93) آیت:6

21۔ گیلانی، النبی الخاتم،ص:34

22۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:34

23۔ سورہ القصص (28) آیت:12

24۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:112

25۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:105

26۔ سورۃ الاعراف (7) آیت:167

27۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:112

28۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:113۔114

29۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:102

30۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:102

31۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:102

32۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:117

33۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:117۔118

34۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:127

35۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:124

36۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:136

37۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:36

استاد اور طلبہ کے حقوق سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمود عالم آسی
(وزٹنگ فیکلٹی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، کراچی)

Abstract:

The rights of students and responsibilities of teachers are based on the principle of "Ar-Rahman" (The Most Merciful). Teachers should receive their due respect and students should be given their rights. Students should approach learning with humility and sincerity. Teachers should be selfless, and students should be devoted. The relationship between teachers and students should not be influenced by greed for wealth, material possessions, or worldly desires. This relationship should be for the pursuit of knowledge, understanding Allah, humanity, and the universe.

The behavior and conduct of teachers should Increase the thirst for knowledge in students, and students should have a strong desire for acquiring knowledge. Teachers should be aware of the challenges that new generations face, and students should be enthusiastic about accepting and embracing these challenges. Both teachers and students should possess qualities such as hard work, sincerity, honesty, patience, and tolerance. No teacher can match the greatness of the Prophet Muhammad (peace be upon him) as a teacher, and no student can compare to the companions of the Prophet (peace be upon him) as learners. This relationship should be continued in the same spirit and following their footsteps.

Keywords: students, merciful, humanity, knowledge, teacher, spirit, material possession, companions.

اس موضوع پر بیشمار تصانیف اور علمی مصاحف کے اوراق میں منتشر کام کثرت سے موجود ہے، جو تقریری اور تحقیقی دونو صنف میں پائی جاتی ہیں، بلکہ تعلیمی افکارِ رضا پر اس سے ملے جلے عنوان پر تحقیقی مقالہ سلیم اللہ جندران نے ایڈوانس ریسرچ اسٹڈی کے لئے تحریر کیا جسے ادارہ تحقیقات، امام احمد رضا انٹر نیشنل۔نے انٹر نیشنل کانفرس منعقدہ 23 فروری 2008 سر سید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کے موقعہ پر شایع کرنے کا اعلان کیا تھا، جسے 2009 میں شایع کر دیا گیا ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں امام احمد رضا کی پیش کردہ اسلامی تعلیمی و نظری فکر سے متعلق بنیادی ثانوی ماخذوں کی نشاندہی گئی ہے، جبکہ اسلامک اکیڈمک فورم پاکستان کے تحت شاہ لطیف یونیورسٹی خیر پور میں قومی سیرت کانفرس کے دعوت پر، وطن عزیز کے دیگر قومی سیرت نگاروں کے ساتھ بحیثیت سیرت نگار راقم کو بھی اپنے مقالہ کا خاصہ پیش کرنے کا موقعہ ملا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: الرحمٰن علم القرآن۔

(رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایاں)(۱)

صدر الافاضل، صاحب خزائن العرفان فرماتے ہیں جب آیت اسجدو للرحمن (الفرقان، آیت 60) نازل ہوئی کفار نے کہا رحمن کیا ہے ہم نہیں جانتے اس پر اللہ تعالی نے الرحمن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمایا اور ایک قول یہ کہ اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا کہ:

(رحمٰن نے قرآن اپنے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا۔)(۲)

ایسا شاندار جاہ و جلال والا مہربان خالق و مالک جو مختار کن فیکون والاستاد اور جاہ و جلال والا معلم جو خالق و مالک اور الہ العالمین کے مقام معظم کا یکتا اور واحد مالک ہو تو شاگرد کا بھی صاحب ام القرا مکی مدنی جیسا صاحب کمال رشک زمین ورشک زمانہ جیسا ہونا ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحب قصیدہ بردہ امام شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں:

فان من جودك الدنيا و ضرّتها۔

و من علومك علم اللوح والقلم "کائنات کے خزانے میں کیا کچھ کب سے تھا سب کچھ سب الرحمٰن والے استاد نے اپنے شاگرد عظیم" صاحب قرآن و صاحب علم القرآن کو استاد الرحمٰن نے کیوں کر نہ سکھایا ہو گا۔

آیت کی درایت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ استاد ایسا وہ ہو جو صاحب تصنیف اور صاحب نظریہ ہو جو وجود شاگرد کی نفوس کی طولانیوں میں اپنے فکر و نظریہ کچھ حصہ بھی نہ چھوڑے سب محفوظ تحریر اور منتقل کر دے۔

صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں اپنے بیشمار انعامات میں سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا کیونکہ یہی وہ آفتاب ہے جو مطلع حیات پر طلوع ہوتا ہے تو زندگی کی شب دیجور صبح سعادت سے آشنا ہوتی ہے انسان جب اس کی ھدایت کو خضر راہ بناتا ہے تو شرف انسانی کی منزلت تک پہنچ جاتا ہے۔یہی وہ صحیفہ ء ھدایت ہے کہ بھٹکے ہوے انسانوں کا رشتہ اپنے خالق کے طرف جوڑ دیتا ہے عَلَّمَ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے یعنی کسی کو سکھایا اور کیا سکھا؟ یہاں دوسرا مفعول تو ذکر کر دیا کہ قرآن کریم کی تعلیم دی لیکن پہلا مفعول کس کو تعلیم دی؟ مذکور نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا مفعول اتنا عیاں ہے کہ عدم ذکر کے باوجود ہر کسی کو واضح ہے اس کے بارے میں تردد نہیں ہو سکتا اور وہ ہے ذاتِ پاک محمد مصطفیٰ، حبیب کبریا علیہ اطیب التحیہ واجمل الثناء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا علوم قرآن سے جتنا کچھ حصّہ کسی کو ملا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملا ہے۔ صاحب ضیاء القرآن فرماتے ہیں ذرا غور فرمایئے! متعلم محمد ابن عبد اللہ روحی و قلبی فداہ ہے اور معلم خود خالق ارض و سما ہے۔شاگرد مکہ کا اُمی ہے اور استاد عالم الغیب والشھادہ ہے اور پڑھایا جارہا ہے؟ قرآن کون سا قرآن؟ جو سراپا رحمت ہے،جو مجسم ہدایت ہے،جو نُور علی نور ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ)(۳)

صاحب ضیاء القرآن نے صاحب قرآن کو نعمت عظمیٰ انعام فرماتے ہوے نبی اُمی سّیدِ دام القراء کو اللہ کا ایسا متعلم قرار دیا کہ مفعول ثانی قرآن کا نور ذکر کیا مگر مفعول اوّل و اولی کا ذکر کئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کو بھرپور محفوظ رکھا جس سے متعلم اعظم کی اکملیت اولیت افضلیت و اہمیت

اور خصوصیت آفتاب کے مطلع کے مثل مکمل اور صاف باہر وعیاں ہوئی تھی ہے۔ کیونکہ اس قرآن کو آپ سے منسوب کرنے کا حق اسی طرح پورا ہو سکتا تھا، اور متعلم کا حق یہ بھی تھا کہ اس کے متعلم کی سند ہو تو اللہ نے اپنی معلمی کی سند الشہادہ کے طور فرمان کامل آپ کو عطا کر کے اس کا بر ملا اعلان و اظہار اور اثبات فرمایا معلم کی شان مثل رحمنٰ یعنی از حد لطف، نوازش، عنایت، عطاء، سخا اور احسان کرنا ہوتا ہے، دوسرا معلم کا یہ حق ہوتا ہے کہ متعلم کو ضلالت کی شب دیجور گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھٹکنے سے بچائے۔ تیسرا علم میں معلم اپنے متعلم کو اتنا کامل کر دے کہ دنیا میں چمکنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں نجات کے فوز و فلاح کا حقدار ہو جائے۔

(وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا)(۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائیں

صدر الافاضل اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء وجملہ مسّمات پیش فرما کر آپ کو ان اسماء وصفات (افعال و خواص واصول و علوم و صناعات سب کا علم بطریق الہام عطا فرمایا)۔(۵)

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

جس نے قلم سے لکھنا سکھایا

صدرالالفاضل فرماتے ہیں اس سے کتابت کی فضیلت ثابت ہوئی در حقیقت کتابت میں بڑے منافع ہیں کتابت ہی سے علوم ضبط میں آتے ہیں گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں، گزرے ہوے لوگوں کے احوال اور ان کے محفوظ ہوتے ہیں کتابت نہ ہوتی تو دین دنیا کے (کام قائم نہیں ہو سکتے تھے)۔(٦)

سکھانے والا معلم سیکھنے والا متعلم استاد اور شاگرد کا ایسا رشتہ جیسے قلم اور کاغذ کا استاد روشنائی سے بھرپور روشناس کرانے والا اور شاگرد روشنائی سے بھرپور روشناس ہونے والا ہوتا ہے، شاگرد اپنے استاد کے فکر و نظر کا اپنی یادداشت رشحات اور علمی اشتیاق سے مالامال رہنے والا ہوتا ہے، کوئی لمحہ ساعت، اور گوشہ ءحیات کو ضایع ہونے نہیں دیتا، اپنے لوح صدر کو استاد کے علم کا ذخیرہ و دفینہ بناتے ہوئے اسے محفوظ تر کرتا چلا جاتا ہے، اور اپنے بعد آنے والے تعمیل گزاروں کو فرض سمجھتے ہوے اس علم کے خزانہ کو منتقل کرتے ہوئے اسے اس کا امین بناتا چلا جاتا ہے۔ اپنے ظرف اور یادداشت کو فرو گزاشت نہ ہونے

دے، متعلم استاد کے صفات، خواص، اصول وعلم کے سامنے اپنی تمام صلاحیتوں کی نفی کرتے ہوئے خود کو اس کے روبرو کوراہ پیش کرے۔ اور استاد کے جستجوئے علم کا ایسا ضبط کرنے والا ہو جیسے پتھر میں خوشنما نقش، ایسا نظم ہو جیسے نظم کائنات سورج، چاند، موسم، سردی، گرمی، خزاں بہار سب اپنے اپنے وقت مقررہ اور نظم سے نہیں ہٹتے، پھر نظم ایسا نظم ہو کہ اسپر مستقل ومستقر رہے مفر اور مقرنہ ہو، یہ رویہ اسے ہیرے کے مثل سخت چمک دمک اور رعنائی والا کر دیگا۔

(خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ)(۷)

انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا

صدر الافاضل اس آیت کی تفسیر میں صاحب خازن سے فرماتے ہیں انسانیت سے اس آیت میں سید عالم محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور بیان سے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا بیان کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوّلین اور آخرین کی خبریں دیتے تھے کیونکہ انسانیت کے لئے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا برھان فرمایا بالواسطہ جو اپنے معلم کے متعلم اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھہرے، بلاشبہ استاد اور شاگرد کا یہ رشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، جو نبی الامی ہیں، کیونکہ اُمّ القرا، مکہ کو ان کے ہی جد امجد نے اپنا مرکز ومسکن اور منبع علم وفن بنایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولود ومسکن بھی ہے دنیا کو مقام ابراہیم، زمزم، صفاء ومروا آپ کے صدقے ہی حاصل ہوا۔

معلم کا حق:

(قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ)(۸)

یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزنوں پر کردے بیشک میں علم والا ہوں۔

معلم کامل جب اپنے علم کو متعلم صادق پر خرچ کرتا ہے تو ایک فرد کی عملی تکمیل واصلاح پورے خاندان کی تکمیل واصلاح کی ضامن بنتی ہے۔ اور پھر ایک صالح معاشرہ اس کی کوک سے پرورش پاتا ہے، اور ایک انقلاب یافتہ ملت تشکیل پاتی ہے، جو پوری کائنات کی قیادت کر کے اس عالم رنگ وبو کو اس کا حسن وجمال اور عدل پر مبنی پر امن چہرے سے روشناس کراتا جس سے احسن تقویم کی حقیقی خواب کی تعبیر ہوتی ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، اور منصب، عدالت، امارت عہدہ اور امامت ملی تو ثابت بھی کر کے دکھایا اب ایک بار پھر ضرورت ہے اس زمانے کو یوسف علیہ السلام

جیسے معبر کی جو حقیقی تعبیر کو پیش کر کے دکھائے۔ حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں: یعنی اپنی قلمرو کے تمام خزانے میرے سپرد کر دے، بادشاہ نے کہا آپ سے زیادہ اس کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے اور اس نے اس کو منظور کیا۔ مسائل: احادیث میں طلب امارت کی ممانعت آئی ہے اس کے یہ معنی ہیں جب ملک میں اہل موجود ہوں اور اقامت احکام الٰہی کسی ایک شخص کے ساتھ خاص نہ ہو اس وقت امارت طلب کرنا ایک مکروہ ہے لیکن جب ایک ہی شخص اہل ہو تو اس کو احکام الہیہ کے اقامت کے لئے امارت طلب کرنا جائز بلکہ واجب ہے اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام اسی حال میں تھے اور آپ رسول تھے یہ جانتے تھے کہ قحط شدید ہونے والا ہے جس میں خَلق کو راحت و آسائش پہنچانے کی یہی سبیل ہے کہ عنان حکومت کو آپ اپنے ہاتھ میں لے لیں اس لئے آپ نے عمارت طلب فرمائی۔ مسئلہ: ظالم بادشاہ کی طرف سے عہدہ قبول کرنا بہ نیت اقامت عدل جائز ہے۔ مسئلہ: اگر احکام دین کا اجرا کافر یا فاسق بادشاہ کی تمکین کے بغیر نہ ہو سکے تو اس میں اس سے مدد لینا جائز ہے۔ مسئلہ! اپنی خوبیوں کا بیان تفاخر و تکبر کے لئے ناجائز ہے لیکن دوسروں کو نفع پہنچانے یا خلق کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لئے اگر اظہار کی ضرورت پیش آئے تو ممنوع نہیں اسی لئے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے بادشاہ سے فرمایا کے میں حفاظت و علم والا ہوں۔(۹)

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔(سورۃ والضحیٰ، آیت ۱۱)

اور اپنی رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

صدر الافاضل فرماتے ہیں: نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں، جو اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی اور وہ بھی جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا نعمتوں کے ذکر کا اس لئے حکم فرمایا کہ نعمتوں کا بیان کرنا شکر گزاری ہے۔(۱۰)

متعلم کا حق کہ اپنے معلم سے حاصل ہونے والے علم کو محفوظ رکھتے ہوے اسے ان حقداروں تک پہنچائے جو اس علم کے طلبگار اور قدر دان ہیں، اور اہل کو اس کا حق دینا ایسا ہے جیسے کہ بہادر اور وفادار محافظ کو تحفظ کے آلات واسباب کے ذرائع پر سہولت اور اختیار دینا ہے، تاکہ علم و عمل اور قلم کی روشنی چہار سمت یکساں پھیلے، اور ظلمتوں کے اسیر کو نورِ علم کی روشنی سے فائدہ اور ظلمتوں کی شب دیجور، گھٹاٹوپ اندھیرے سے آزادی اور رہائی ملے۔ اور منصب علم پر اسے شہادت عہدہ اور مرتبہ دے جو

چراغ علم کو اس کے امین اور صادق تک پہنچائے تاکہ افراد اور معاشرہ کو علم کی دعوت و تنظیم اصلاح و تحریک اور انقلاب علم سے برپا ہونے والے منفعت وہدایت نقابت کا دور دورا اور دوام حاصل ہو سکے اس طرح علمی بانجھ پن سے نجات و خلاصی مل سکے۔

آیت مذکورہ کے مطالعِہ سے واضح ہوتا ہے متعلم پر ہر نعمت اور ہر شکر گزاری کا دروازہ کھلتا رہتا ہے، یہ بھی فیضانِ معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔(۱۱)

"تم فرماؤ میں اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا۔"

صدر الافاضل اس آیت کی تعبیر و وضاحت میں فرماتے ہیں کہ:یعنی قرآن شریف یعنی دین اسلام۔(۱۲)

معلم کا یہ بھی حق ہے کہ متعلم کی تشنگی علم پر علم کی پیاس بجھانے میں شفیق و مہربان رہے اور اس سے کسی قسم کا معاوضہ یا خدمت طلب نہ کرے، نہ ہی اس کی تمنا کرے نہ ہی اس کی طمع رکھے، جبکہ متعلم اس احسانِ علم کو:هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔(الرحمن، آیت ۶۹)

یعنی احسان کا بدلہ بہترین احسان۔ "تعلیمی عمل کے تسلسل اور بقا کے لئے ذمہ دار استاد کو ہوس و حرص دولت جاہ وطلب سے خالی ہونا چاہیے جب معلم کا عزت متعلم کا عزت و وقار معلم کے اذہان و نقوش میں قائم ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امام احمد رضا محدث حنفی فاضل بریلی فرماتے ہیں: "استاد کو صرف استاد ہونا چاہیئے اور امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت کا آفاقی تصور اس کے ذہن" نشین ہونا چاہیے۔(۱۳)

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔(۱۴)

"پھر اگر تم منہ پھیرو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر۔"

صاحب خزائن اس کی توضیح میں لکھتے ہیں:"میری نصیحت جس کے فوت ہونے کا مجھے افسوس ہے وہی مجھے جزا دیگا (مدعا یہ ہے کہ میرا وعظ و نصیحت خاص اللہ کے لئے ہے کسی دنیاوی غرض سے نہیں)۔"(۱۵)

امام احمد رضا محدث حنفی فاضل بریلوی لکھتے ہیں ایک مرتبہ امام کسا کا گزر ایک گلی سے ہوا، آپ پیاسے تھے تو ایک گھر سے پانی طلب کیا پھر انہیں یاد آیا کہ انہوں نے اس گھر کے کچھ لوگوں کو پڑھایا ہے چناچہ آپ نے پانی واپس کر دیا اور پیاسے ہی وہاں سے گزر گئے۔

اس ضمن میں آپ ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں: کہ جس شخص نے علم کو طلب مال کا ذریعہ بنایا اللہ تعالی اس کے چہرہ کو مسخ فرمادیتا ہے اس کو ایڑیوں کے بل۔ پر پھیر دیتا ہے اور آگ اس کے لئے بہت لائق ہے۔(۱۶)

یٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ۔اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔(۱۷)

”اے قوم میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میری مزدوری تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تمہیں عقل نہیں“۔

یہ خطاب حضرت ھود علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں۔ جتنے رسول تشریف لائے سب نے اپنی قوموں سے یہی فرمایا اور (نصیحت خالص وہی ہے جو کسی طمع سے نہ ہو)۔(۱۸)

اتنا سمجھ سکو جو محض بے غرض نصیحت کرتا ہے وہ یقیناً خیر خواہ اور سچا ہے، باطل کار جو کسی کو گمراہ کرتا ہے کہ ضرور کسی نہ کسی غرض اور مقصد ذاتی سے کرتا ہے اس سے حق و باطل میں بہ آسانی تمیز کی جاسکتی ہے۔

وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ۔اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔(۱۹)

اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا ربّ ہے۔

معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت، اور اسلام کی خدمت علم و عمل کے معلم بن کر اس طرح سے کی کہ انہیں اللہ کے قرب کے ساتھ جہنم میں گرنے سے روکا صرف روکا بچایا ہی نہیں بلکہ اس کا حق ادا فرمادیا جس کا ثبوت مشکواۃ، بخاری، اور مسلم کے اس روایت سے ملتا ہے:”مثل کمثل رجل استوقد نارا“

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اس شخص کے مانند ہے جس نے آگ جلائی جب اس نے اپنا گرد روشن کیا پروانوں اور پتنگوں نے جو آگ میں گرتے ہیں آگ میں گرنا شروع کیا تو اس نے اس کو روکنا شروع کیا وہ اس پر غالب آئے اور آگ میں داخل

ہو رہے ہیں میں تمہارے کمروں کو پکڑ کر آگ میں داخل ہونے سے روکتا ہوں تم اس میں داخل ہوتے ہو، مسلم کی روایت میں ہے کہ میں تمہاری کمر پکڑ رہا ہوں آگ سے بچانے کے لئے اور کہتا ہوں میری طرف آگ سے بچو اور تم مجھ پر غالب ہوتے ہو فتعبونی تمحسون فیھا اور اس میں داخل ہو رہے ہو۔

وَ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔(۲۰)

اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا ربّ ہے۔(۲۱)

اس میں صدر الافاضل فرماتے ہیں: اور تم اس پر ان سے کچھ اجرت نہیں مانگتے؛ یہ تو نہیں مگر سارے جہان کو نصیحت۔

قرآن کے بعد دستور انسانیت اور اسلام معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع اور پیروی ہی انسانیت اور مسلمانوں کی عظمت پہچان اور عظمت رفتہ کا موضوع اور ہتھیار دفاع نفس و شیطان اس کے مدمقابل کسی عمل شغل کو وہ قبولیت نہیں جو آپ کی پیروی کو ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: امھات المومنین کے حجرے کے پاس تین آدمی آئے اور معلم اعظم کی عبادت کے بارے میں پوچھا جب ان کو خبر دی گئی تب انہوں نے اسے کم جانا کہنے لگے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت اللہ تعالیٰ نے آپکے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھونگا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھونگا اور افطاری نہ کرونگا۔ تیسرے نے کہا میں ہمیشہ الگ رہوگا کچھ نکاح نہیں کرونگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے پس فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خبر دار اللہ کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا ہوں اور تقوی کرتا ہوں اور میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطاری بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔(۲۲) صدر الافاضل فرماتے ہیں: ”ان تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا یہی عنوان رہا کیونکہ وہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی اطاعت اور اخلاص فی العبادہ کا حکم دیتے اور تبلیغ و رسالت پر کوئی اجر نہیں لیتے تھے لہذا سب نے یہی فرمایا“۔(۲۳)

وَ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا ربّ ہے۔(۲۴)

صدر الافاضل اس آیت پر فرماتے ہیں: تبلیغ وارشاد۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا: ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کا کیا نقصان ہے پھر آپ کیوں غم کریں اورآپ اس مخالفت کو معلوم کر کے فکر میں پڑیں۔(۲۵) معلم اعظم نے پہنچانے کا حق ادا فرمادیا اور جس نے پایا قبول کیا عمل کیا اور استقامت رکھا اور بغیر اجرت اور ان کے صلے کے اس اسلامی تعلیم سے تتبع کیا نجات دینی واخروی کا حقدار ہوا جس نے انکار اور نافرمانی کی جنت سے محروم ہو: عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ إلا من ابی قیل ومن ابی قال: من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سب امّت جنت میں داخل ہو گی مگر جس نے قبول نہ کیا کہا کس نے قبول نہ کیا فرمایا، جس نے میری نافرمانی کی بس اس نے قبول نہ کیا۔

امتی اور متعلم کی خوبی یہی ہے کے اپنے معلم اعظم نبی کی ہر ہر تعلیم کو یاد رکھے اور ان کے نائب معلم کے درس و(۲۶) اسباق کے علم و درس اور سبق کو یاد رکھے استاد کے سامنے اپنی لا حاصل ناتجربہ کاری سے گریز کرے، وسوسے سے بچے امن و سکون سے رہے، کیونکہ جنت امن و سکون کی جگہ ہے دِل حیوانی اور منتشر دماغ کا وہاں گزر نہیں۔

وَ مَآ اَسْـئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ-اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا ربّ ہے۔" صدر الافاضل فرماتے ہیں: ان تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا یہی عنوان رہا کیونکہ وہ سب حضرات اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی اطاعت اوراخلاص فی العبادہ کا حکم دیتے اور تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں لیتے تھے۔ لہذا سب نے یہی فرمایا۔

متعلم کے اجر سے بے نیاز اور معلم کے عملیت کی ایک منظر کشی۔ امام احمد رضا انبیاء کرام علیہم السلام کی عملی مسند کی(۲۷) توقیر کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔

نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوی لکھے گئے، بارہ مجلات تو صرف اس فقیر کے فتاوی ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہیں لیا گیا نہ لیا جائیگا، بحمد اللہ تعالی معلوم نہیں کون لوگ ایسے ہیں پست فطرت دنیا محبت میں جنھوں نے یہ صیغۂ کسب اختیار کرر کھاہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہو گی بھائیوں! مَآ اَسْـئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(۲۸)

وَ مَآ اَسْـــٴَـلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ۔اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(۲۹) "اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے"۔

تدریسی عمل میں وقار و سکون شائستہ ومہذب اور خوشگواری ماحول اس وقت ہی جاری وساری اور قائم ہو سکتا ہے جب استاد ان کی فکری وتربیتی محاسن سے خود ہی آراستہ و پیراستہ ہو گا،شاگرد مؤدب و مودت والے استاد کے خلوص و بے غرضی کو دیکھ کر ہی طلبہ علمی ماحول میں ڈھلتا ہے،بے غرض استاد منفعتِ ذاتی سے بے نیاز و بے غرض ہو کر تعلیم و تعلم معلم و متعلم کے حق سے سرشار ہو گا تو ہونہار شاگرد مرید باوفا کے مثل اپنے استاد پر اپنا قیمتی سے قیمتی شے نثار کرتے ہوے خود کو بھی فنا فی الاستاد کر دیگا،اس لئے متعلم کے لئے معلم کا اخلاص اور بے غرض ہونا اس رشتے کے استحکام کے لئے ایک قیمتی صلاحیت اور ہتھیار ہے،رہا اجر رزق کی صورت میں اپنے رازق سے پائیگا۔

وَ مَآ اَسْـــٴَـلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(۳۰)

"اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے ے جہان کا ربّ ہے۔"

(مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:"اور میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو ربّ العالمین کے ذمہ ہے۔")۔(۳۱)

امام احمد رضا خان محدثِ حنفی بریلوی کے بارے میں(سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی)ڈاکٹر محمد جمیل جالبی لکھتے ہیں امام احمد رضا کی شخصیت کا سب سے امتیازی وصف جو ان کے دوسرے تمام فضائل سے بڑھ کر ہے،وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لہٰذا معلم اعظم کی وابستگی معلم میں جتنی زیادہ ہو گی متعلم اس قدر وحشت سے نکل کر الفت نبی سے سرشار ہو کر تعلیمی ارتقاء کے عمل کو پروان کو چڑھیگا۔(۳۲)

قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ۔اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللہِ۔وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔(۳۳)

"تم فرماؤ میں نے تم سے اس پر کچھ اجر مانگا ہو تو وہ تمہیں کو،میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے،اور وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔"

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: آپ کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کچھ صلہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا میرا معاوضہ تو اللہ ہی کہ ذمہ ہے (۳۴)۔ صدر الافاضل فرماتے ہیں: یعنی میں نصیحت و ہدایت اور تبلیغ و رسالت پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا (۳۵) جب تک معلم حرص وہوس اور ذاتی

غرض وجاہ وجلال کی نفی کر کے اس منصب پر نہیں بیٹھے گا، انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ مقدس مشن اپنے مقام ومنزل سے گمشدہ رہیگا۔ اور نبوی افکار و حکمت سے دوری متعلم پر تحقیق و حکمت کے دیوار و در وا ہونے نہیں دیگی۔ اسکے معنی ہے نہ ہی عقائد صحیح کو کچھ فروغ ملے گا نہ ہی فیضان علم کے چشمہ سے تشنگان علم کو شفاف علمی فیضان وعرفان سے سیراب ہونا ملے گا، خدانخواستہ جو کہ نبوی وراثت میں خیانت کے مرتکب ہونے کی صورت ہے، غالباً اسی موقع پر شاعر مشرق حکیم الامت علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا الا الہ الا اللہ

شاگرد کا مقام اور حق:

یہاں تک کی تحریر سے قرآن و حدیث سے استاد و شاگرد کے حقوق کی وضاحت ہوتی ہے، جبکہ نوے فیصد کامیابی مستقل مزاجی ہی سے ہے۔

شاگرد کا وقار: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ میرا دشمن بھی دینی معاملات میں مجھ سے استفادہ کرتا ہے۔

استاد اپنے علمی وقار کو اتنا محفوظ رکھے اور شاگردوں اور سیراب ہونے والوں کو اتنا خالص علم سکھائے کہ (۳۶) اس سے حاصل ہونے میں جانبدار و غیر جانب داروں کی کوئی خصوصیت نہ ہو، علم کے حصول میں سب استفادہ کریں سب طلبگار علم بن جائیں، یہ عمل بھی شاگرد استاد سے ہی حاصل کر سکتا ہے۔ جب استاد علم میں خود کھرا ہو گا تو یہ خوبی اور کمال حاصل ہو، مگر شاگرد اپنے استاد سے حاصل کرنے میں تمکنت کے ساتھ رجحان رکھے گا تو تب اسے یہ حاصل ہو گی اور اس کی شعوری سطح اور ظرف اعلی ظرفی سے ہمکنار ہو گا۔

محبت تجھے اندازِ محبت بھی سکھا دیگی ذرا آہستہ آہستہ سے یہ رجحان پیدا کر

استقامت حصول مقصد: (۳۷)

ایک روز حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ بغداد کے ایک محلے سے گزر رہے تھے اچانک دیکھا کہ چوراہے پر ایک لاش لٹکی ہوئی ہے، جس کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹا ہوا تھا۔ معلوم کرنے پر بتایا یہ ایک چور اور ڈاکو تھا پہلے چوری کرنے کی سزا میں ہاتھ کٹا لیکن اس نے چوری نہیں چھوڑی، پھر پکڑا گیا پھر اس نے قتل کیا آخر موت کی سزا دی گئی، یہ سن کر

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور اس لاش کے پاؤں کو چوم لیا، مریدوں کو بڑا تعجب ہوا آخر اس چور اور قاتل کے پاؤں کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسا شیخ کامل کیوں چوم رہا ہے، مریدوں نے پوچھا حضرت یہ شخص تو عادی چور اور قاتل ہے آپ نے اس کا پاؤں کیوں چوما؟ فرمایا!"میں نے اس شخص کے پاؤں کو نہیں بلکہ اس کی استقامت اور مستقل مزاجی کو چوما ہے، کہ یہ استقامت اگر دین کے کاموں میں صرف ہوتی تو پتہ نہیں یہ شخص کس مقام پر ہوتا۔(۳۸)

اس ضمن میں یہ اصول بہت اہم ہے کہ ہمارے معلم جو کہ ہمارے علمی دور میں ہماری کفالت کی بھی پوری رعایت اور حق رکھتے ہیں۔ ہمارے جملہ حقوق کے ساتھ کفالت کا بھی انتظام رکھتے ہیں جس طرح ایک چوپائے کے حقوق کی پوری رعایت حق اور ضرورت، پسند اور شوق کا بھرپور خیال رکھا جائے تو وہ قابو میں رہ کر حکم اور فرمابرداری کا بھی مظاہرہ کرتا ہے مانوس رہتے ہوئے قابو میں رہتا ہے، چھوڑ کر نہیں جاتا، یا بھاگتا نہیں ہے، ہم سے وحشت کے بجائے الفت اور انسیت کا مظاہرہ کرتا ہے شاگر اور متعلم بھی ہماری ذمہ داری میں ہوتے ہیں کہ ہماری انسیت سے مانوس، اور ہماری لاپروائی سے وحشت زدہ ہو کر وحشت ناک بھی ہوسکتے ہیں۔

جیسا کہ شیخ سعدی شیرازی لکھتے ہیں کہ ایک دن میرا بازار سے گزر ہوا دیکھا کہ آگے آگے ایک بچہ اور پیچھے ہرن کا ایک بچہ دونوں سامنے سے چلے آتے ہیں۔ پہلے تو میں سمجھا ہرن کا بچہ کسی رسی سے بندھا آرہا ہے، لیکن پاس آنے پر معلوم ہوا رسی یا زنجیر کچھ بھی نہیں، لڑکے سے پوچھا بیٹا آخر یہ جنگلی ہرن کا بچہ تم سے اتنا مانوس کیوں کر ہو گیا؟ لڑکے نے جواب دیا، جناب! میں ہر وقت اس کے دانے گھاس کی فکر رکھتا ہوں۔ کیا یہ احسان زنجیر سے کم مضبوط ہے۔ یہ تو پھر ایک معصوم جانور ہے جیسے ریچھ اور بندر وغیرہ خطرناک جانور بھی کھلانے پلانے سے آدمی کے فرمابردار بن جاتے ہیں، ان کو جس طرح نچاؤ ناچتے ہیں اور جس راہ پر چلاؤ چلتے ہیں۔ میں نے کہا تم سچ کہتے ہو، نیکی اور احسان کی مثال اس مضبوط رسی کی ہے جو درندوں تک کو باندھ لیتی ہے۔ پھر آدمی کے ساتھ اگر نیکی کی تو وہ کیوں نہ دوست بن جائے۔(مثالی استاد، ص 273)۔

غیر نصابی سرگرمیاں ہمیشہ طلباء، شاگرد، ماتحت، مرید اور چیلے! ان کے حق سے سبکدوش نہیں ہوا جاسکتا ہے، بلکہ دلچسپ من پسند سچے واقعات، کردار اور عملیت سے بھی مانوس کیا جاسکتا ہے۔ ایسی ماہرانہ

منظر کشی کی جائے کہ وہ دلچسپی کے ساتھ ان واقعات وصفات سے جڑ جائیں۔ اور وہ باتیں جو پڑھ کر نہ سمجھ سکتے ہوں سن کر عمدہ منظر کشی طرز و اسلوب بیان سے ان اغراض و اہداف کو حاصل کرنے لگ جائیں، جیسے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالی نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا۔(۳۹)

”بیشک اللہ اس سے حیاء نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے“۔ (مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر۔)

مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر ایک استاد موقع شناس شاگردوں سے مخاطب ہوا: ایک خوشگوار اور سہانی صبح کے وقت ایک مچھر صاحب کمرے کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ان کی سہیلی محترمہ مکھی صاحبہ گھبراتی ہوئی تشریف لائیں۔ مچھر صاحب نے انہیں گھبراتے ہوئے دیکھا تو جھٹ بول اٹھے ”کیا بات ہے بہن اتنی پریشان کیوں ہو؟ مکھی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا بھائی جان میر ی زندگی بہت خطرے میں ہے ابھی ایک چھوٹی سے لڑکی نے مجھے کمرے سے دھکیل دیا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک جھاڑو ہے۔ اس کا تو مجھے کوئی غم نہیں کیونکہ میں ہر خطرے سے بھاگ سکتی ہوں۔“ ”پھر اتنی اداس اور غمگین کیوں ہو؟ مچھر نے کہا، میرے بھائی میرے سر پر بدنصیبیوں کا پہاڑ آن گرا ہے، میں اب نہ کچھ کھا سکتی ہوں نہ پی سکتی ہوں اس چھوٹی لڑکی نے کھانے کی ہر شے ڈھانک دی ہے، شکر کے بر تن پر اس نے ڈھکنا رکھ دیا ہے اور دودھ کے برتن، کو بھی صاف ستھرے کپڑے سے ڈھانک دیا ہے۔“ مچھر بولا” بہن مجھے بہت افسوس ہوا میں تمہیں کیا بتاؤں میں تو خود بڑی مصیبت میں گھر گیا ہوں۔ میری بیوی کو انڈے دینے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملی ہے۔ باغ میں گڑھا تھا، بارش برستی تو وہ پانی سے بھر جاتا اور اپنے چھوٹے بچے وہاں اچھلتے کودتے تھے۔ اب لوگوں نے اس گڑھے کو مٹی سے بھر دیا ہے اور گلیاں جو گندگی اور غلاظت سے بھری رہتی تھیں لوگوں نے وہ بھی صاف کر دی ہیں۔ اب کہیں بھی گندا پانی نہیں ملتا۔ ہم لوگ جائیں تو کہاں جائیں، ہم سب کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔“ بھائی جان مجھے سب معلوم ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ اسی چھوٹی لڑکی نے بازار سے ایک کتاب خرید لی ہے اس میں پڑھا ہے کہ مچھروں اور مکھیوں کو کسطرح ختم کیا جا سکتا ہے، پھر اس کا بھائی مدرسہ جاتا ہے تو وہاں قاری صاحب اسے

بتاتے ہیں کہ اسلام ہمیں صفائی کی تعلیم دیتا ہے اور صفائی نصف ایمان ہے، مچھر بولا لیکن میں پھر پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ مدرسوں اور اسکولوں میں کسی کو نقصان پہنچانے والی باتیں کیوں سکھاتے ہیں۔"(۴۰)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔(القلم، آیت4۔)

"اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے خلق کو عظیم کر دیا"۔

استاد طلبہ کو اچھی عادت اور بری عادت خلق اور حسنِ اخلاق کے شعور اور تربیت سے صرف روشناس اور آگاہ ہی نہ کرائے بلکہ سیرت طیبہ کے نظائر اسقدر پیش کرے کہ طلبہ اس رنگ میں رنگ جائیں۔ بلکہ اپنی عملی زندگی میں عفور در گزر، شکر اور صبر، قناعت اور تونگری، بد خلقی کا خوش خلقی سے جواب دینا جذبات کے بجائے احساساتِ لطیف کا مظاہرہ کریں، کیوں کہ ہم بولتے کیا ہیں اس سے زیادہ ہم کرتے کیا ہیں طلبہ وتشنہ گانِ علم وفن اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی برائی کا جواب برائے دفاع ذات یا تسکین خودی کے لئے دیا ہو اور نہ ہی مزاج لطیف پہ گوارا ہوا ہو، جیسا قرآن کریم اس صفت مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں بیان فرمارہا ہے۔ ہاں جس جگہ خاموشی کو عام نقصان ظلم وزیادتی اور تباہی کا سبب بنے کا موقع دیکھا یا پایا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھل کے اظہار واثبات فرمایا جیسا کہ آیہ کریمہ میں بیان ہو رہا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ۔(۴۱)

"اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا۔"

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں۔ شیخ ابو طاہر حرمی رحمہ اللہ ایک روز گدھے پر سوار بازا میں جارہے تھے ایک مرید نے آپ کے گدھے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ ایک شخص نے آواز دی یہ بے دین پیر جارہے ہیں بے دین پیر آیا ہے۔ اس نے جب یہ بات سنی تو غیرت ارادت کی وجہ سے اس شخص کو مارنے کا ارادہ کیا جس سے اہل بازار سب جھنجھلائے۔ شیخ نے مرید سے کہا اگر تو خاموش رہے اور اپنے ارادہ سے باز آجائے تو میں تجھے ایک ایسی بات سکھا دونگا کہ تو ان کی تکلیف سے نجات پائیگا مرید خاموش ہو گیا۔ جب اپنی جگہ پہ پہنچے تو مرید سے کہا کہ وہ صندوق اٹھالا۔ وہ اٹھالایا اس صندوق میں خطوط تھے، خطوط کی دراز باہر نکالی اور اس کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ دیکھ ہر ایک

شخص کی طرف سے میری طرف خطوط ہیں جو انھوں نے میری طرف بھیجے ہیں،ایک نے مجھے شیخ الالسلام کے لقب سے خطاب کیا ہے اور ایک نے شیخ زکی اور ایک نے شیخ الحرمین کے نام سے، اور یہ سب میرے القاب ہیں، نام نہیں ہیں۔ میں ان میں سے کسی ایک کے لائق بھی نہیں ہوں، ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے مطابق میرا ایک لقب مقرر کیا ہے۔ اگر اس بیچارے نے بھی اپنے اعتقاد کے مطابق کوئی بات کہی اور میرا لقب مقرر کیا تو اس پر یہ سب جھگڑا کیوں اٹھایا۔

آج اگر استاد، رہبر و رہنما اتنا ذمہ دار اور شاگرد یا طلبہ اتنے فرماں بردار ہو جائیں تو یہ دنیا آگ اور جہنم کا ایندھن بنے کے۔ (۴۲) بجائے، امن و راحت و سکون کا جنت نشان بن جائے۔ بلا شبہ راقم کی نظر میں درس دار العلوم، مدرسہ، جامعہ یا خانقاہ ہو تمام جماعت خانہ مجلس و محراب و منبر تجربہ گاہ ہے۔ اگر کوئی غلط تجربہ ہوا تو تجربہ گاہ سمیت تمام کے تمام استفادہ گان و ملک و قوم ملت سب تباہ ہو جائینگے لہٰذا ہمیں نہایت احتیاط و التزم کی ضرورت ہے، اور صرف سیرت طیبہ کے نظائر اور اس کے امین اور مخلصین قلبِ سلیم والوں سے ہی یہ ذمہ داری حق استاد و طلبہ انجام پذیر ہو سکتی ہے، آج ہم نے ایٹم بم تو بنا لیا لیکن ایٹم خوشحالی و خوش و خرم حضرت انسان کی حیات اور اس کے احیاء کے لئے عملی طور پر پیش کرنے سے قاصر ہیں، آج جدید دنیاء کے مسائل صحت، معاش، امن و امان تحفظ و دفاع و ترقی و کمال کے بحران سے نکلنے کے لیے ہمارے پاس، مناظرہ، مکالمہ، فتویٰ، دعوٰی اور حکم ننگ و تنگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، بجائے ہم صاحب قرآن، قرآن اور سیرت النبی کے احسن اسوہ سے کچھ کامیابی و کامرانی کی خوشخبری دیں ہم اس سے بھی قاصر ہیں۔

آئن اسٹائن: کا کہنا ہے کہ اگر چہ الفاظ عام طور پر نظریات اور تصورات دوسروں تک منتقل کرتے ہیں لیکن بعض لفظ ہمارے احساس کو اس حد تک پریشان کر دیتے ہیں کہ الفاظ جو کردار، تصورات کی منتقلی میں ادا کرتے ہیں وہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ (لیکن ان الفاظ کی تیزی اور تندی باقی رہ جاتی ہے)۔ (۴۳)

استاد، معلم، خطیب رہبروں رہنما والدین شوہر، ماں، باپ، بڑے بھائی بہن اور نگہبان و افسران صاحبان، نگہبان و راعی صاحبان یا پیر کا حق ہے کہ ایسے الفاظ اور لہجے کا انتخاب کرے کہ شاگرد، متعلم، سالک، طالب اور مرید و ماتحت اور ملازمین اس منظر علم وایقان و مکتب احسان کے

محافظ خادم اور امین بنے نہ کہ اس کے احساسات بو جھل اور تھکے ہوئے ہو کر اس کو بے بس و بیقرار کر دیں مگر فرمابردار شاگرد و مرید خود کو مریض سمجھ کر استاد کے ارشادات کو مرشد کے فرامین دلنشین سمجھتے ہوئے اس پر اسطرح عمل پیرا ہو کہ اس کے مرض کہن کا اس کے سوا کوئی صحت مند چارہ اور تریاق نہیں رہے۔

اگر سورۂ کہف سے واقعہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے منظر کو نظر میں رکھے تو خوب سے خوب تر ہے۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ۔ (کہف، آیت 76)

"کہا" اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے ساتھ نہیں رہنا۔ (سورۂ نمل کی آیت 40)

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ۔

اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دونگا۔

یعنی شاگرد نہ تھا، جو امت تھا نہ کہ استاد سلیمان نبی علیہ السلام نے کوئی تردد یا سوچ میں پڑے کہ میں کیا تقاضہ کر رہا ہوں، یا حکم دے رہا ہوں، در اصل یہ حکم دینے والے کا کمال اور اس پر فرمابرداری کرنے والے کا نصیب تھا اور وہ ہو بھی گیا۔

ایف ڈبلیو رابرسٹن: کہتے ہیں کہ آپ جنگل کے جانور کو سدھار سکتے ہیں اور جنگل میں لگنے والی آگ بھی تمام درخت جلنے کے بعد بجھ سکتی ہے لیکن آپ اس ظالم اور اشتعال انگیز لفظ سے لگنے والی آگ کو نہیں بجھا سکتے جو آپ نے گزری ہوئی کل یا اس (صبح کو اپنی زبان کے غلط استعمال سے لگائی تھی۔)(۴۴)

استاد اور طلبہ کے حقوق کی فرماں برداری کی ذمہ داری میں سے نہایت اہم حق اور فریضہ ہے کہ زبان، لب ولہجہ اور اسکے اہتمام کو نظر میں رکھ کر تربیتی دور کے حصے میں تدریجاً اس سبق کو خوب خوب فکر و نظر شعور و ذہن میں پیوست کرے اور شاگرد پورے احتیاط اور توجہ سے اس قیمتی جوہر کی قدر کرتے ہوے اس سے آرستہ و پیراستہ ہو کر آگ لگانے والا نہیں بجھانے والا بنے، اجاڑنے والا نہیں آباد کرنے والا بنے، ویرانہ کو معمور کرنے والا بنے، شاگرد عاقل و دانا بنے نہ کہ دیوانہ بنے، وحشت کے بجائے انسیت پانے والا بنے، دشت کو خار و خوں سے نہیں گلوں اور خوشبوؤں کی بہار و مہکار سے مہکانے اور گل و گلزار، کرنے والا بنے۔

جہانگیر بادشاہ نے کسی موقعہ پر ایک خواجہ سرا کو گدھا سے تشبیہ دی، اکبر اس کے والد شہنشاہ ہند نے تادیب و تنبیہ کرتے ہوئے کہا ایسا کیوں کہا جہانگیر نے کہا بابا زبان پھسل گئی تھی، اکبر نے کہا لاکھوں مربع میل پر حکومت کیسے کروگے اگر زبان ہی قابو میں نہ رہے، ہمیں مسائل پیدا کرنے والے کے بجائے مسائل حل کرنے والا بننے کی ضرورت ہے۔

بقول ظفر محمد خان ظفر:

اسی باعث مسائل کی فراوانی نہیں جاتی   کہ ہم سے خاک تحقیقات کی چھانی نہیں جاتی

حوالہ جات وتعلیقات

(۱)۔ سورۂ رحمن، آیت 2،1۔
(۲)۔ خزائن العرفان ابو النعیم مراد آبادی، ص،638،ضیاء القرآن پبلیکیشن لاہور، س،ا2003۔
(۳)۔ ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ الازہری، ص66,65 ضیاء القرآن پبلیکیشن۔ س،ا،2015۔
(۴)۔ البقرۃ، آیت 31۔
(۵)۔ خزائن العرفان ابو النعیم مراد آبادی، ص738،ضیاء القرآن، 2003۔
(۶)۔ خزائن، ص707۔
(۷)۔ سورۂ الرحمن، آیت 4،3۔
(۸)۔ سورۂ یوسف، آیت 25۔
(۹)۔ خزائن، ص747۔
(۱۰)۔ خزائن، ص1097۔
(۱۱)۔ سورۂ شوری، آیت 23۔
(۱۲)۔ خزائن، ص583۔
(۱۳)۔ تعلیمی افکار رضا پر تحقیق، سلیم اللہ جندران، ص 15، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا،2009ء۔
(۱۴)۔ سورۂ یونس، آیت 72۔
(۱۵)۔ خزائن، ص206۔
(۱۶)۔ تعلیمی افکار رضا، ص33۔
(۱۷)۔ سورۂ ھود، آیت 51۔
(۱۸)۔ خزائن، ص732۔
(۱۹)۔ سورۂ الشعر، آیت 127۔
(۲۰)۔ مشکواۃ، ابو عبد اللہ محمد بن خطیب العمری، ج 1، ص 52، مکتبہ رحمانیہ، س ندارد۔
(۲۱)۔ سورۂ یوسف، آیت 104۔
(۲۲)۔ مشکواۃ، ج 1، ص 51۔

(۲۳)۔ خزائن، ص674۔

(۲۴)۔ سورۃ فرقان، آیت 57۔

(۲۵)۔ بیان القرآن، ص439، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س ندارد۔

(۲۶)۔ مشکواۃ، ج1، ص50۔

(۲۷)۔ خزائن، ص675۔

(۲۸)۔ فتاوی رضویہ، امام احمد رضا، ج3، ص249، قدیم۔

(۲۹)۔ سورۂ شعراء، آیت 164۔

(۳۰)۔ سورۂ شعراء، آیت 145۔

(۳۱)۔ بیان القرآن، ص449۔

(۳۲)۔ تعلیمی افکار رضا، ص15۔

(۳۳)۔ سورۂ سبا، آیت 47۔

(۳۴)۔ بیان القرآن، ص522۔

(۳۵)۔ خزائن، ص780۔

(۳۶)۔ تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، مترجم مولانا محمد شبیر چشتی، ص255 شبیر برادرز، اپریل 2002۔

(۳۷)۔ معارف جمیل، ٹائٹل، مزید حوالہ ندارد۔

(۳۸)۔ مثالی استاد، مولانا محمد عبدالحمید، ص347، بیت العلم ٹرسٹ، نومبر 2000۔

(۳۹)۔ البقرۃ، آیت 26۔

(۴۰)۔ مثالی استاد، ص276۔

(۴۱)۔ النساء، آیت 148۔

(۴۲)۔ کشف المحجوب، علی ہجویری، مترجم، مولوی فیروز الدین، ص66، فیروز سنز لاہور، کراچی، سنہ اشاعت ندارد۔

(۴۳)۔ مثالی استاد، ص296۔

(۴۴)۔ مثالی استاد، ص97۔

ہندوستان میں عربی سیرت نگاری آغاز وارتقاء

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

یہ ایک بدیہی اور مسلم حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات عالم انسانی کی وہ واحد شخصیت ہے جس کی سیرت سب سے زیادہ لکھی گئی ہے۔ عہد نبوی اور اس کے متصلاً بعد خلافت راشدہ میں سیرت نبوی کی جس روایت بے بہا کا تقریری طور سے آغاز ہوا تھا وہ اسلامی خلافت کے دوسرے ادوار میں تقریری اور تحریری دونوں انداز سے نہ صرف جاری رہی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں عقیدت کی فراوانی، محبت کی گہرائی، جستجو کی تڑپ اور تحقیق کی وسعت شامل ہوتی گئی اور سیرت نبوی ایک مستقل علم کا قالب اختیار کرگئی۔ پھر اسلامی فتوحات نے، جو عسکری بھی تھیں اور دینی اور تہذیبی بھی، ہر مفتوحہ مسلم ملک و علاقہ کے لوگوں کے دلوں میں محبت و عقیدت رسول ﷺ کی وہ لو لگائی کہ وہ ان کی دھڑکن بن گئی۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اب صرف ایک خطہ یا قوم کے فرد اور رسول نہیں تھے بلکہ وہ عراق و ایران، افغان و ہند، ترکستان و چین، شام و فلسطین، مصر و افریقہ، اندلس و فرانس غرض کہ ساری اسلامی دنیا کے معظم ترین و محبوب ترین شخص اور سب کے رسول تھے۔ انسانی تہذیب نے جوں جوں ترقی کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت و محبوبیت میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ غیر مسلموں نے بھی جن میں یہود و نصاریٰ مشرک و کافر، لادین ولا مذہب سبھی شامل ہیں آپ کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا۔ اور پوری بنیادی طور سے تاریخ سے جوڑ دی گئی تھی۔ لیکن چونکہ سیرت نبوی کی حدیث وسنت سے وابستگی کے سبب اس کی ایک دینی حیثیت اور

مذہبی اہمیت بھی تھی اس لیے اس کا مطالعہ کیا اور درس دیا جاتا رہا۔ اور انفرادی طور پر اس پر تحریری کام بھی کیا جاتا رہا یہی اسباب و عوامل تھے جنھوں نے ہندوستان میں عربی سیرت نگاری کے موضوع پر تحریری کاموں کی پیش رفت پر قدغن لگادی تھی۔

آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی میں سیرت نبوی کا دائرہ محض نعتیہ و مدحیہ قصائد تک محدود ہو گیا۔ اور اس کی بھی مثالیں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔ شیخ رکن الدین کا شافی (م آٹھویں صدی ہجری) کی شمائل الاتقیاء کے تیسرے باب میں نعوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ قاضی عبد المقتدر کندی (م محرم ۷۹۱ھ) کا ایک طویل مدحیہ قصیدہ مولانا عبد الحئی صاحب مرحوم نے نقل کیا ہے جس میں انچاس (۴۹) شعر ہیں۔ کم و بیش یہی صورت حال نویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی میں بھی نظر آتی ہے۔ اس دور میں ہم کو شیخ احمد بن محمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) کے ایک طویل قصیدہ دائیہ کے اکتالیس اشعار، قاضی احمد بن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) کے قصیدہ بردہ کی عربی شرح اور شیخ محمد بن یوسف دہلوی (م ذی قعدہ ۸۲۵ھ در گلبرگہ) کے سیرت نبوی پر ایک مختصر رسالے کے حوالوں کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ ان حوالوں سے بہر حال سیرت نبوی کے تحریری اور سنجیدہ کام میں گذشتہ صدی کے مقابلے میں زیادہ پیش رفت نظر آتی ہے اور ان سے اس خیال کو تقویت پہونچتی ہے کہ یہ دونوں صدیاں اس پہلو سے بالکل ہی بے خبر نہیں تھیں۔ زیادہ تحقیق و جستجو سے اور کاموں کا سراغ مل سکتا ہے۔ لیکن یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ ان پہلی تین صدیوں میں مسلم فضلاء اور اہل علم کی توجہ علوم اسلامی کی زیادہ عملی اور مروجہ شاخوں پر مبذول و مرکوز رہی۔ علماء اور اہل سیاست کو زیادہ دل چسپی فقہ اور اس کے متعلقہ علوم سے تھی کہ ان کے پیش نظر ہند میں اسلامی ریاست اور تہذیب کے تقاضوں کو پورا کرنا تھا۔ صوفیائے کرام کو بیشتر معاملات تصوف و سلوک سے رغبت تھی کہ ان کے نزدیک معاصر سیاست دین ربانی سے جدا ہو چکی تھی۔ اور تیسرا مسلم طبقہ دانشوران فلسفہ و منطق کی گتھیوں میں الجھا ہوا تھا۔ قرآنِ کریم، حدیث و سنت اور سیرت و تاریخ سے ان کو دل چسپی بہت کم تھی۔

دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں دہلی سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو امراء وملوک کی بن آئی اور انھوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں اپنی خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ ایسا

لگتا ہے کہ اس سیاسی افراتفری اور طوائف الملوکی کے دور میں علماء وشیوخ کو بھی اپنے پسندیدہ مشاغل سے کچھ فرصت مل گئی تھی شاید اس لیے کہ ان میں مزید ارتقاء یا موشگافیوں کی بہت زیادہ گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس دور میں ہم کو سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر زیادہ وقیع اور گوناگوں کام نظر آتا ہے۔ شیخ زین الدین علی ملا باری (م ۹۲۸ھ) نے قصص الانبیاء پر ایک کتاب تصنیف کرنے کے علاوہ سیرت نبوی پر ایک مکمل کتاب لکھی تھی۔ گجرات کے ایک عرب نژاد عالم شیخ محمد بن عمر بحرق حضرمی (۸۶۹-۹۳۰ رح) نے اپنے مربی سلطان مظفر بن محمود بیگڑھ کے لیے سیرت نبوی پر ایک عمدہ کتاب تبصرہ الحضرۃ الشاہیہ الاحمدیۃ بسیرۃ الحضرۃ النبویۃ الاحمدیۃ کے دل چسپ عنوان سے لکھی تھی۔ اچھ میں پیدا ہونے والے اور سلطان سکندر لودھی کے دربار سے وابستہ شیخ عبدالوہاب بخاری (م ۹۳۲ھ) نے شمائل ترمذی پر ایک رسالہ کے ساتھ عربی میں مدحیہ قصیدے بھی لکھے تھے۔ اگرچہ مولانا غیاث الدین ہروی (م ۹۴۴ھ) نے اپنے والد ماجد ہمام الدین ہروی کی کتاب روضتہ الصفا کی تلخیص حبیب السیر فی اخبارا فرادالبشر کے نام سے فارسی میں کی تھی تاہم انھوں نے سیرت نبوی کا ذکر جلد اول میں کیا ہے جس سے ہماری معلومات میں فارسی کے سیاق وسباق میں اضافہ ہوتا ہے۔ شیخ عبد العزیز دہلوی (م ۹۷۵ھ) نے شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ) کی کتاب الحقیقہ المجدیہ کی شرح لکھی تھی جو غالباً سیرت کے مواد پر بھی مشتمل تھی۔ دسویں صدی ہجری کے ضمن میں یہ واقعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا عبد اللہ البدایونی نے جو ابتدائے حیات میں پنجاب کے ضلع سامانہ کے نو مسلم تھے اپنے فارسی کے استاذ سے سیرت نبوی کے کچھ حصے سن کر اسلام قبول کیا تھا۔ سیرت نبوی کی یہی ہمہ گیری اور کارفرمائی تھی جس نے دلوں کو مسخر اور دماغوں کو متاثر کیا تھا اور اسی کا جلوہ ہم ملا عبد النبی (م ۹۹۱ھ) کے سیرت پر دو رسالوں میں بھی دیکھتے ہیں۔ گجرات کے ایک اور عرب نژاد عالم شیخ بن عبد اللہ حضرمی (م ۹۹۰ھ) نے معراج نبوی پر ایک رسالہ لکھا تھا، جبکہ شیخ مصلح الدین لاری (م ۹۶۰ھ) نے شمائل ترمذی کی ایک بسیط شرح لکھی تھی۔ نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں یہ ذکر کر دیا جائے کہ گجرات کے شیخ محمد ابن احمد فاکہی (۹۲۳-۹۹۲ھ) نے ابن سید الناس کی سیرت کی مشہور و عظیم کتاب کی تلخیص نور العیون پوری حفظ کر لی تھی۔ اور غالباً وہ اس سے درس ووعظ میں کام لیتے تھے۔ دسویں صدی ہجری کے اس مختصر جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عربی میں

سیرت نبوی پر کام کرنے کے لیے گجرات کی فضا زیادہ ساز گار تھی اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہاں عرب آبادی کے سبب نیز عرب دنیا سے مسلسل رابطہ کی وجہ سے فضا زیادہ ساز گار تھی اور وہاں عربی زبان وادب کا دوسرے علاقوں کے بہ نسبت زیادہ چلن تھا۔

گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی میں سیرت نبوی سے علماء وفضلاء کی دلچسپی اور زیادہ نظر آتی ہے اور اس کا عملی مظاہرہ گوناگوں کاموں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ مآخذ کا بیان ہے کہ شیخ مبارک ناگوری (۹۱۱-۱۰۰۱ م) روزانہ قصیدہ بردہ پڑھا کرتے تھے اور اس سے از حد لطف اندوز ہوتے تھے۔ شیخ طاہر بن یوسف سندی (م ۱۰۰۴ھ) نے جو برہان پور میں جا بسے تھے قسطلانی کی المواہب اللدنیہ کا ایک عمدہ انتخاب تیار کیا تھا۔ جبکہ شیخ یعقوب بن حسن کشمیری (۹۰۸ھ تا ۱۰۰۳ھ) نے مغازی النبوۃ پر ایک کتاب لکھی تھی یا اس کی شرح تیار کی تھی۔ لاہور کے شیخ منور بن عبد الحمید (م ۱۰۱۵ھ) نے قصیدہ بردہ کی ایک شرح لکھی تھی اس دور کے سیرت نبوی کے دو اہم ترین عالم تھے شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپور (م ۱۰۲۹ھ) جنھوں نے کم از کم سیرت کے مختلف پہلوؤں پر پانچ کتابیں لکھی تھیں ان میں سے دو کا تعلق شفاعت نبوی سے تھا جبکہ بقیہ دو قاضی عیاض کی شفا اور ترمذی کی شمائل کی تلخیص تھیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے ایک آزاد رسالہ معراج نبوی پر تصنیف کیا تھا۔ اس صدی کی علمی فضیلت کا سہرا شیخ عبد القادر بن شیخ عبد اللہ حضرمی گجراتی (۹۷۸ھ تا ۱۰۳۸) کے سر ہے جنھوں نے سیرت نبوی کے موضوع پر متعدد طبعزاد، تخلیقی اور تحقیقی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ انھوں نے اپنی پہلی کتاب الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی واصحابہ العشرہ بیس سال سے کم عمر میں لکھی تھی۔ اس طرح اس کا سن تالیف ۹۹۸ھ یعنی دسویں صدی کا آخر ٹھہرتا ہے۔ اسی تصنیف کے انداز پر انھوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب اِتحاف الحضرۃ العزیزہ لعیون السیرۃ الوجیزۃ تحریر کی تھی۔ ڈاکٹر زبید احمد نے ان دونوں کتابوں کو خلط ملط کر دیا ہے اور موخر الذکر کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ دراصل ان کی کتاب اوّل کی ہیں۔ شیخ موصوف نے ایک اور کتاب میلاد نبوی کے بارے میں المنتخب المصطفیٰ فی اخبار مولد المصطفیٰ کے نام سے چوتھی کتاب معراج نبوی پر کتاب المنہاج اِلی معرفتہ المعراج کے عنوان سے، اور بدری صحابہ پر الانموزج اللطیف فی اہل بدر الشریف کے سرنامے سے لکھی تھی۔ ان کی کتابوں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صرف تاریخی اور صحیح روایات بیان کی گئی ہیں اور بقول ڈاکٹر زبید احمد صوفیہ کی کتابوں کی مانند رطب

ویابس کو نہیں جمع کیا گیا ہے۔ ان دونوں عظیم علماء سیرت کے مقابلے میں ان کے معاصرین یا اس صدی کے علماء و مورخین اس طرۂ امتیاز کو نہ حاصل کر سکے اگرچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ) میدان حدیث کے مرد شہسوار تھے اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی ”ان کی ذات وہ ذات ہے جس نے ہندوستان میں رہ کر حدیث کے سربمہر خزانے کو وقف عام کیا“ تاہم سیرت نبوی میں ان کا وہ درجہ نہیں جو ان کے برھانپوری یا گجراتی پیشرو کا ہے۔ محدث موصوف نے سیرت پر فارسی میں مدارج النبوۃ بمراتب الفتوہ فی سید النبی واخبارہ کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں ایک شاندار کتاب لکھی ہے ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں۔ البتہ شمائل نبوی میں ان کی عربی تصنیف مطلع الانوار العربیہ فی الحلیۃ الجلیتہ النبویہ ہمارے دائرۂ بحث میں آتی ہے۔ گیارہویں صدی ہجری کے ایک اور اکبر آبادی عالم مولانا عبد النبی نے معراج پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ اس صدی کی سیرت نبوی پر تصنیفات کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ پورے عہد نبوی پر محیط مختصر وبسیط سیرتیں لکھی گئیں اور محض شروح وحواشی و تراجم یا قصائد مدح ونعت پر اکتفا نہیں کیا گیا۔

بارہویں صدی ہجری/اٹھارہویں صدی عیسوی میں سیرت نبوی پر تصنیفات کی گوناگونی میں وسعت پیدا ہوتی ہے مگر بہت زیادہ علمی پیش رفت نظر نہیں آتی ہے۔ حکیم محمد اکبر دہلوی (م بعد ۱۱۰۶ھ) نے تلخیص الطب النبوی تیار کی تھی۔ دو معاصرین جن کا تعلق جنوبی ہند سے تھا یعنی مولانا محمد حسین بیجاپوری (م۱۱۰۸ھ) اور شیخ احمد بن عبد اللہ مدراسی (۱۱۱۳تا۱۱۸۹ھ) نے سیرت نبوی کے ایک خاص پہلو پر بالترتیب تحبیب الطیب وانساء الی سید الانبیاء اور ابناء الاذکیاء بتحبیب الطیب وانساء کے نام سے کتابچے لکھے تھے۔ مولانا عبد الغنی مہندی نے ۱۱۱۸ھ سے قبل کسی وقت شمائل ترمذی کی ایک تلخیص تیار کی تھی اور جس پر ملاّ عصام وغیرہ نے دوسرے مآخذ سے حواشی لے کر چڑھائے تھے۔ مولانا محمد شاکر لکھنوی (م۱۱۳۳ھ) نے قصیدہ بردہ کی غالباً عربی شرح لکھی تھی۔ جبکہ عالمگیر کے روحانی و علمی مرشد شیخ سعد اللہ سلونی (م۱۱۳۸ھ) کے بارے میں گمان ہے کہ انھوں نے تحفۃ الرسول کے نام سے سیرت نبوی پر یا اس کے کسی پہلو پر کتاب لکھی تھی۔ اس عہد کے واحد مکمل سیرت نگار غالباً سندھ کے مولانا محمد ہاشم (م۱۱۷۴ھ) تھے جنھوں نے بذل القوہ فی سنی النبوۃ کے عنوان سے مکمل سیرت نبوی رقم کی تھی۔ ایک امیر دنیا دار نواب محمد محفوظ گوپاموی (م۱۱۹۳ھ) کے بارے میں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے

فضائل و مناقب رسول پر قرۃ العینین فی فضائل رسول الثقلین کے نام سے ایک رسالہ لکھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس صدی کے دو عظیم ترین فضلائے وقت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ تا ۱۱۷۶ھ) اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۰ھ تا ۱۲۰۰ھ) نے مدح رسول کریم میں شاندار عربی قصیدے کہے تھے۔ شاہ صاحب مرحوم کے مجموعۂ قصائد کا عنوان اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ہے جبکہ مولانا بلگرامی اپنی عقیدت و محبت رسول کے عمدہ و بلیغ اظہار کے سبب "حسان الہند" کے لقب سے اہل علم میں شہرت رکھتے ہیں۔ موصوف نے اپنے شیخ حبیب اللہ قنوجی (۱۱۴۰ھ) کی تصنیف روضۃ النبی کی جو سیرت نبوی پر مستقل کتاب تھی ایک فارسی شرح بھی بعنوان مدینۃ العلم تیار کی تھی۔

اگرچہ تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی میں ہم کو سیرت نبوی کے مختلف گوشوں پر کافی کتابوں اور رسالوں کے نام ملتے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ مکمل اور باقاعدہ کتابیں عربی میں کم لکھی گئی تھیں۔ اس کی ایک اہم وجہ فارسی اور اردو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور عربی زبان کی سمٹی ہوئی وجاہت وسطوت ہے۔ اس دور کے اہم موضوعات سیرت تھے: مدح و مناقب و فضائل، حلیہ نبوی، میلاد نبوی، طب نبوی، معجزات اثبات نبوت، شفاعت اور مکمل سیرت نبوی۔ مدح و فضائل میں شیخ اسلم بن یحیٰ کشمیری (۱۱۳۹ تا ۱۲۱۲ھ)، مولانا جان محمد لاہوری (۱۱۹۳ تا ۱۲۶۸ھ) اور قاضی علی بن احمد گوپاموی (م ۱۲۷۰ھ) نے قصیدہ بردہ کی شرحیں لکھیں جبکہ شیخ الٰہی بخش کاندھلوی (۱۱۶۲ تا ۱۲۴۵ھ) مولانا امین اللہ عظیم آبادی (م ۱۲۳۳ھ) مولانا باقرین مرتضیٰ مدراسی (۱۱۵۸ تا ۱۲۲۰ھ)، مولانا عالم علی مراد آبادی (م ۱۲۹۵ھ) شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹ تا ۱۲۳۹ھ) مولانا عبد اللہ بن عبد القادر مدراسی (۱۲۰۵ تا ۱۲۶۷ھ) مولانا عبدالوہاب مدارسی (۱۲۰۸ تا ۱۲۸۵ھ) اور مولاناولی اللہ لکھنوی (م ۱۲۷۱ھ) نے مدح و فضائل رسول کریم میں منظوم و منثور رسالے لکھے تھے۔ طب نبوی پر مولانا قطب الدین دہلوی (م ۱۲۸۹ھ) اور مولانا محمد غوث مدراسی (م ۱۳۳۸ھ) کے رسالے تھے جن میں سے موخر الذکر کا رسالہ فارسی میں تھا۔ حلیہ و شمائل نبوی پر لکھنے والوں میں مولانا حسین احمد ملیح آبادی (م ۱۲۷۵ھ) مولانا عالم علی مراد آبادی (م ۱۲۹۵ھ) اور مولانا محمد علی ٹونکی (۱۱۹۵ تا ۱۲۶۶ھ) نے منظوم و نثری مگر طبع زاد رسالے لکھے تھے ان میں سے موخر الذکر کا رسالہ فارسی میں تھا جبکہ مولانا سلام اللہ دہلوی (م ۱۲۲۹ یا ۱۲۳۳ھ) قاضی صبغتہ اللہ مدراسی (م ۱۲۸۰ھ) اور مولانا عبد القادر رامپوری

(م۱۱۹۷ تا ۱۲۶۵ھ) نے شمائل ترمذی پر شروح و تعلیقات تحریر کی تھیں۔ نبوتِ محمدی کے اثبات پر رسید ہادی بن مہدی لکھنوی (م۱۲۷۵ھ) کی اثبات النبوۃ سیدنا محمد تھی جبکہ شفاعت نبوی کے موضوع پر مولانا نصیر الدین برہانپوری (م۱۲۹۳ھ) کی تصنیف لطیف تھی۔ طب نبوی پر مولانا قطب الدین دہلوی (م۱۲۸۹ھ) اور مولانا محمد غوث مدراسی (م۱۲۳۸ھ) کے رسالے تھے جن میں موخر الذکر کا فارسی میں تھا۔ میلاد نامے مولانا عبد اللہ بن صبغتہ اللہ مدراسی (م۱۲۸۸ھ)، سید علی کبیر الہ آبادی (م۱۲۸۵ھ) اور سید ناصر حسین جونپوری (تیرہویں صدی ہجری) کے تحریر کردہ تھے۔ مولانا آزاد لائبریری کے عبد الحیٔ فرنگی محلی کلکشن میں ۵۹ ورقی مولد النبی الکریم کے نام سے ایک نامعلوم مصنف کا رسالہ بھی ہے۔ معراج پر حدیث المعراج کے نام سے اسی ذخیرے میں محمد ظہور علی انصاری لکھنوی حیدرآبادی کا ایک رسالہ ہے جس کی کتابت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی تھی۔ اسی طرح مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں ذخیرۂ مخطوطات حبیب گنج میں تین نامعلوم مصنفین کے رسالے ہیں جن میں سے ایک مولود النبی المختار کے نام سے ۱۲۶۶ھ کا کتابت شدہ ہے۔ بقیہ دو کا تعلق خطبات نبوی، صلاۃ بر نبی کریم اور سیرت سے ہے اور یہ سب اسی صدی کے تحریر کردہ ہیں۔ اسی طرح حافظ شاہ محمد جان کا رسالہ بیان میلاد النبی تھا جو کسی وقت لکھنو میں زیر کتابت آیا تھا۔ معجزات نبوی پر شاہ رفیع الدین دہلوی (م۱۲۳۳ھ)، قاضی صبغتہ اللہ مدراسی (م۱۲۸۰ھ) مولانا عبد الحلیم گجراتی (م۱۲۷۵ھ) مولانا عبد اللہ مدراسی (م۱۲۸۸ھ) مولانا عبد الحلیم فرنگی محل (م۱۲۸۵ھ) اور اسی صدی کے مولانا عبد اللہ الہٰ آبادی نے رسالے اور کتابیں تحریر کی تھیں ان میں سے بیشتر کی تصانیف معجزہ شق القمر سے متعلق ہیں جبکہ عبد اللہ مدارسی اور عبد اللہ الہٰ آبادی نے معجزات نبوی سے مجموعی طور سے بحث کی ہے۔

تیرہویں صدی ہجری کی اہم کتب سیرت میں مولانا ولی اللہ سورتی (م۱۲۰۷ھ) کی التنبیہات النبویہ فی سلوک الطریقۃ المصطفویہ ہے جو شفا قاضی عیاض، مشکوٰۃ خطیب اور قسطلانی کی تصانیف کی تلخیص ہے اور سیرت نبوی کے صوفیانہ نقطۂ نظر سے مطالعہ کی نمائندہ ہے۔ مرزا محمد غیاث شیعی دہلوی (م۱۲۲۵ھ) خاص طور سے ذکر کے قابل ہیں کہ انھوں نے طبری کی تاریخ کی تلخیص تیار کی تھی جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے۔ سید مرتضیٰ بن محمد بلگرامی زبیدی صاحب تاج العروس (۱۱۴۵ھ تا ۱۲۰۵ھ) نے العقد المنظم فی امہات النبی کے نام سے ایک قیمتی رسالہ لکھا تھا جبکہ مولانا محمد

ٹونکی (۱۱۹۵ تا ۱۲۶۶ھ) کی جلاء العیون فی سید النبی الامین المامون اور مفتی عنایت احمد کاکوروی (م۱۲۷۴ھ) کی تاریخ حبیب اللہ مکمل کتاب سیرت ہے تاہم ان کا تعلق فارسی زبان سے ہے۔ ڈاکٹر زبیدا احمد کے مطابق اس دور کی سب سے قابل ذکر سیرت مولانا کرامت علی بن فاضل محمد حیات علی کی ضخیم کتاب ہے جو غدر ۱۸۵۷ھ سے قبل نظام حیدرآباد کی زیر سرپرستی لکھی گئی تھی۔ چھ سو (۶۰۰) صفحات پر مشتمل یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ ڈاکٹر موصوف کے مطابق وہ ضعیف روایات سے خالی ہے اگرچہ اس میں تنقیدی شعور کی کمی ہے۔ مولانا حکیم سید عبد الحئ صاحب نے مصنف کے نام میں اسرائیلی دہلوی حیدر آبادی کا اضافہ کیا ہے جبکہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا خیال ہے کہ مذکورہ بالا کتاب سیرہ حلبیہ کی تلخیص ہے اور اس کا پورا نام السیرۃ العطرۃ: محمد خاتم الرسل ہے اور وہ بمبئی سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔ موخر الذکر دونوں مصنفین نے متعدد اور کتب سیرت کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن ان کی زبان اور زمانے کا پتہ لگانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

چودھویں صدی ہجری / بیسویں صدی عیسوی میں سیرت نبوی پر برصغیر کی ہر زبان میں بڑا وقیع کام ہوا ہے۔ مکمل کتب سیرت لکھنے والوں میں مولانا ابو بکر بن محمد جونپوری (۱۲۹۷ھ تا ۱۳۵۹ھ) کی سیرت الرسول شیخ احمد بن صبغتہ اللہ مدراسی (۱۲۶۷ھ تا ۱۳۰۷ھ) کی تاریخ احمد، مولانا عبد الرحیم دہلوی (م ۱۳۰۵ھ) کی رحمتہ الرحیم فی ذکر النبی الکریم، قاضی عبید اللہ مدراسی (م ۱۳۴۶ھ) وغیرہ کی کتابیں شامل ہیں۔ مولانا حسن شاہ رامپوری (م ۱۳۲۷ھ) نے سیرت ابن ہشام کے اشعار کو نہ صرف حروف کے اعتبار سے مرتب کیا بلکہ ان میں سے نامکمل قصائد کو مکمل بھی کیا۔ احمد بن عبد القادر کوکنی (م ۱۳۲۰ھ) نے ایک شاندار مدحیہ قصیدہ لکھا ہے جبکہ مولانا طلحہ بن محمد ٹونکی حسنی (م ۱۳۹۰ھ) نے عہد نبوی اور عہد صحابہ کے تمدن پر ایک نادر کتاب لکھی تھی جو ابھی تک شرمندۂ طباعت نہیں ہو سکی ہے اردو میں دو عظیم ترین کتب سیرت مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی کا عربی ترجمہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک قابل فرزند محمد اسمٰعیل مدراسی مرحوم نے کیا تھا جبکہ مولانا محمد ناظم مدظلہ نے علامہ سید سلیمان ندوی کے عظیم خطبات سیرت کا جو خطبات مدراس کے نام سے مشہور ہیں الرسالۃ المحمدیہ کے نام سے ترجمہ کیا ہے جو چھپ چکا ہے۔ اس ضمن میں ایک اور ہندی عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی کا ذکر ناگزیر معلوم ہوتا ہے جنھوں نے عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کے سیاسی دستاویزات پر مجموعۃ

الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کے نام سے گراں قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے بلاذری کی انساب الاشراف کی جلد اوّل کو جو سیرت نبوی سے متعلق ہے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اور آج کل ڈاکٹر صاحب قبلہ محمد بن اسحاق اولین سیرت نگار رسول کی کتاب السیرۃ النبوۃ کو مرتب کر رہے ہیں۔ ایک اور ہندی نژاد عالم محمد مصطفیٰ اعظمی نے کتاب النبی پر ایک محققانہ کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے۔

دیگر موضوعات پر اس صدی میں کچھ کتابیں عربی میں لکھی گئی ہے۔ ان میں سے نعیم احمد بن فیض اللہ کی دلائل النبوۃ (طبع حیدر آباد ۱۳۲۰ھ) محمد عبد الواحد غازی پوری کی تحفۃ الاتقیاء (طبع لکھنو بلا تاریخ) محمد عبد المجید کی المرتجی بالقبول (طبع لکھنو بلا تاریخ)، محمد خیر اللہ کی خیر الحقائق (طبع حیدر آباد بلا تاریخ) شہاب الدین احمد کی مصدق الفضل (طبع حیدر آباد بلا تاریخ) محمد بن سعید کی دو کتابیں الفتوحات الاحمدیۃ (طبع دہلی ۱۳۰۳ھ) اور خلاصہ سیر سید البشر (طبع دہلی ۱۳۴۳ھ) اور محمد ناصر کی جرعۃ العرب فی مدح سید العرب (طبع دہلی بلا تاریخ) مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی کے حبیب گنج ذخیرے میں محفوظ ہیں۔ جبکہ اسی لائبریری کے سبحان اللہ ذخیرۂ مخطوطات میں غلام احمد مشہور کی کتاب سید البشر سیرت نبوی پر ایک اوسط درجہ کی کتاب ہے جس کی محمد حفیظ نامی کاتب نے کتابت کی تھی۔ اس کے ۳۳۲ اوراق ہیں۔ یونیورسٹی کے ذخیرہ مخطوطات میں ایک نامعلوم مصنف کا کتابچہ خلاصتہ السیرا النبی سید البشر ہے جو ۲۸ ورقی ہے اور محمد نور الحسن کاندھلوی نے ۱۳۰۹ھ میں اس کی کتابت کی تھی۔

قریب کے زمانے میں ہندوستان میں سیرت نبوی پر جو کام ہوا ہے اس میں ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم مدرس مدرسہ محمدیہ دہلی (اجمیری دروازہ) کا مرتب کردہ محب الدین ابی جعفر احمد بن عبد اللہ طبری کا کتابچہ خلاصہ السیر فی احوال سید البشر ہے جو ۲۴ فصلوں اور ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے اور دہلی سے دفتر اخبار محمدی نے ۱۳۴۳ھ میں شائع کیا تھا شروع میں مرتب نے مصنف کتاب کا ایک صفحہ کا سوانحی خاکہ بھی لکھا ہے۔ دوسری ایک زیادہ اہم کتاب مولانا محمد یوسف کاندھلوی مرحوم امیر جماعت تبلیغ ہند کی حیاۃ الصحابہ ہے جس کی جلد اول میں جو مجلس دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی ہے کافی قیمتی مواد سیرت نبوی پر ہے۔ کتاب کا انداز دعوتی ہے اور عہد نبوی میں دعوت و تبلیغ اسلام سے متعلق کافی اچھا مواد آ گیا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا کاندھلوی مرحوم کی تصنیف حجۃ

الوداع و عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (طبع ندوۃ العلماء لکھنو اول ۱۹۷۱ء) سیرت نبوی کے ایک اہم گوشہ کو بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ اجاگر کرتی ہے۔

اس صدی کے اواخر میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شاندار کتاب السیرہ النبویہ (طبع مطبع عصریہ للطباعۃ والنشر، صیدا، لبنان ۱۹۷۹ء) برصغیر کی عربی سیرت نگاری کا لعل بے بہا ہے کہ وہ اپنی سلاست زبان، اسلوب ادا اور دعوتی اندازِ بیان کے لحاظ سے اب تک کی سب سے اچھی کتاب ہے لیکن تاریخی تحقیق اور علمی معیار پر وہ اتنی کھری نہیں اترتی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی مذکورہ بالا کتاب اپنی گوناگوں خصوصیات کے لیے ممتاز ہے تاہم وہ حضرت مولانا کی جلالت شان اور ہم خاکساران و نیاز مندان حضرت والا کی توقع سے فروتر ہے۔

ہندوستان میں عربی سیرت نگاری کے اس مختصر جائزے میں ہندی مسلمانوں کی چودہ صدیوں کی علمی جگر کاریوں اور قلمی کاوشوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے ہمارے ملک میں اس مقدس موضوع پر علمی پیش رفت کا ہلکا سا اندازہ ہوتا ہے۔ ہر انصاف پسند طالب علم کو اعتراف کرنا چاہیے کہ ہندی علماء نے خاصا دقیع کام کیا ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی جیسی معیاری اور تحقیقی کتاب سیرت عربی میں نہیں لکھی گئی تحقیق و تاریخ کا ابھی یہ تقاضا باقی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں دوسری علمی زبانوں کی مانند ایک تحقیقی اور معیاری سیرت نبوی لکھی جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کے مطابق ہو۔

اور ابھی حال ہی میں عالم عرب سے شائع ہونے والی ایک اہم کتاب سیرت مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کی 'الرحیق المختوم' ہے جس پر رابطہ عالم اسلامی نے مصنف کو کتب سیرت کا اوّل انعام عطا کیا ہے۔ وہ اپنی ندرت بیان، جدت تحقیق اور کاوش علمی کے لیے ایک خاص امتیاز کی حامل ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی خدوخال

ڈاکٹر حافظ سید عزیز الرحمٰن

اسلامی نظام تعلیم ایک ہمہ جہت تعمیری وانقلابی تعلیم کا خواہاں ہے جس کے جلو میں نہ صرف سیاسی ہنگامہ خیزی اور فکری آزاد روی پروان چڑھتی ہے بلکہ جو ہمہ نوع وہمہ جہت مثبت وتعمیری تبدیلیوں کا سبب وذریعہ بنتی ہے۔ اس کے بنیادی خدوخال پیش کرنا خود ایک طویل مقالے کا موضوع ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ اس کے چند اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں:

لازمی وجبری تعلیم:

اسلام میں تعلیم لازمی ہے۔ تعلیم کی ہمہ جہت اہمیت کے پیش نظر اختیاری تعلیم کا اسلام کے ہاں کوئی تصور نہیں۔ تعلیم ہر ایک کے لیے ہے اور لازمی ہے۔ خواندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے عوام کی مرضی پر چھوڑا جاسکے کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے ہی نہیں، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے۔ یہ فریضہ تو حکومت کا ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرے۔ خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہوسکتے[۱] اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "علم کا حصول ہر ایک پر فرض ہے"[۲] آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہر نو مسلم کے لیے مختلف علوم کا جاننا ضروری تھا جس کے لیے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے۔[۳] اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاص طور پر خانہ بدوش بدوؤں کے لیے

قرآن مجید کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا تھا اور اس کے لیے گشتی ٹیمیں مقرر کی تھیں۔[۴] نیز ایسے گشتی تعلیمی دستے مقرر تھے جو لوگوں کی تعلیمی صلاحیت کا جائزہ لیتے تھے اور ضرورت کے مطابق ایسے افراد کو اساتذہ کے سپرد کرتے تھے۔[۵]

مفت تعلیم:

اسلام مفت تعلیم کا قائل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں تعلیم مفت تھی۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان عالم پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔[۶] اس لیے کتمان علم پر شدید وعید بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہوا اور اس نے چھپایا تو اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت آگ کی لگام پہنائے گا۔"[۷] بعد کے دور میں بھی تعلیم مفت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف مکاتب قائم کیے جن کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ اس دور میں سرکاری انتظام میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث، سیرت و غزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم مفت ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبا کے لیے وظائف کا بھی انتظام تھا۔[۸] حکومتی اہتمام کے علاوہ نجی طور پر اساتذہ بھی تنخواہ لینے سے گریز کرتے تھے اور عام طور پر معاوضے قبول نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن ابی محمد اشعری کو گشتی معلم مقرر کر کے ان کی تنخواہ مقرر کر دی۔ یزید نے تنخواہ قبول کر لی، حارث نے نہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یزید نے جو کچھ کیا، اس میں کوئی خرابی نہیں البتہ اللہ تعالیٰ حارث جیسے افراد کثرت سے پیدا کرے۔(۹)

بچوں کی تعلیم:

بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا انتظام کرنا درحقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "تم علم حاصل کرو۔ اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو کل دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے۔"[۱۰] اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کی بھی بڑی تلقین فرمائی ہے۔ نیز بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے اسی لیے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: "بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب۔"[۱۱] آپ ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم کی تلقین کرتے

ہوئے فرمایا: ”کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔(۱۲) اور فرمایا: ”آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔“(۱۳)

معذوروں کی تعلیم:

اسلام کی نظر میں کسی قسم کی کمی یا کمزوری کسی کے فرائض کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ہاں کسی پر بھی اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ تعلیم کے معاملے میں بھی اسلام کا یہ اختصاص وامتیاز ہے کہ اس نے جسمانی کمزوریوں کو حسن عمل وجہد مسلسل کی دولت سے چھپا دیا اور معذوروں سے وہ کارہائے نمایاں لیے کہ صحت مند افراد رشک کر اٹھے۔اس کی سب سے اہم مثال حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہے جنہیں یہ فخر وشرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور انہیں یہ شرف دس بار حاصل ہوا۔(۱۴) جبکہ دیگر جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو یہ اعزاز نہ مل سکا۔ایک نابینا صحابی اور حضور اکرم ﷺ کی نیابت کا فریضہ، تعلیم وتربیت میں اعلیٰ مدارج طے کیے بغیر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسلام میں معذوروں کی قدر ومنزلت کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر دور میں اور ہر فن میں بڑے بڑے جلیل القدر علما نابینا وغیرہ گزرے ہیں۔(۱۵) آج بھی معذوروں اور کئی وجہ سے عام جسمانی صلاحیتوں سے محروم افراد کی تعلیم کا خاص اہتمام ناگزیر ہے۔

خواتین کی تعلیم:

خواتین کے لیے ایسا انتظام ضروری ہے کہ جس کے تحت وہ اپنی بنیادی ضروریات کی تعلیم، خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی، بسہولت حاصل کر سکیں اور ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور خواتین کی تعلیم کا سلسلہ خالص اسلامی ماحول میں اسلامی تعلیمات کی ادنیٰ مخالفت اور ان سے معمولی روگردانی کے بغیر بھی جاری رہے۔ آپ ﷺ نے انہی مقاصد کے پیش نظر خواتین کی تعلیم کے لیے علیحدہ دن اور علیحدہ مقام متعین فرمایا۔(۱۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اس سلسلے کو مزید وسعت ہوئی اور خواتین کے باقاعدہ الگ مدرسے قائم ہوئے۔(۱۷) ان کے دور میں خواتین کی بھی جبری تعلیم رائج ہو گئی تھی۔(۱۸)

آج بھی اس سلسلے میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ مختلف حلقوں کی جانب سے ہمارے ہاں خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کا مسئلہ اٹھتا رہتا ہے۔ یہ مطالبہ اپنی جگہ درست ہونے کے باوجود بھی نامکمل

ہے۔ اس مطالبے کا اصل جواز اسلام میں مخلوط تعلیم کی ممانعت ہے۔ یہ امر اس کا متقاضی ہے کہ صرف جامعات کی سطح پر نہیں بلکہ پرائمری کے بعد ہر درجے اور مرحلے میں طلبا کے ادارے الگ اور طالبات کے ادارے الگ ہونے چاہییں جن میں صرف طلبا وطالبات ہی الگ الگ نہ ہوں، اساتذہ بھی علی الترتیب مرد اور خواتین ہوں۔ اور یہ مطالبہ کوئی نئی چیز نہیں، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان نے ایک موقع پر اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

"ان واہی باتوں کو مسلمان سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ تعلیم ہو۔ آج تک مشترکہ تعلیم کا کوئی ایسا فائدہ کسی نے بیان نہیں کیا ہے جو دل نشین ہو۔ .... ممکن ہے کہ مسلمانوں میں بعض افراد ایسے ہوں جو مخلوط تعلیم کے موید ہوں مگر مسلمانوں کی ساری قوم اس کے خلاف ہے۔"[۱۹]

تعلیم بالغاں:

تعلیم بالغاں کی اہمیت مسلم ہے۔ بڑی عمر کے بہت سے افراد محض اس سبب سے حصول علوم سے رہ جاتے ہیں کہ بچپن میں کسی مجبوری، عدم توجہی یا عدم وسائل کے سبب سے وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اسلام تعلیم کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں ایسے صحابہ بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں جنہوں نے نہ صرف بڑی عمر میں تحصیل علم کیا بلکہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔ یہ سلسلہ بعد کے زمانے میں بھی جاری رہا بلکہ قرآن کریم کو بڑی عمر میں حفظ کرنے کا سلسلہ تو آج بھی جاری ہے اور یہ قرآن کریم کی برکت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "تم لوگ سردار بنائے جانے سے قبل علم حاصل کرو۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے تو بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے۔"[۲۰] اس لیے ہمارے ہاں بھی تعلیم بالغاں کے حلقے قائم ہونے چاہییں جہاں بڑی عمر کے ناخواندہ افراد دینی معلومات اور دنیاوی ضروریات کا علم اپنی ضرورت کے مطابق بہ سہولت حاصل کر سکیں۔

غیر مسلموں کی تعلیم:

ایک اسلامی ریاست میں اسلامی نظام تعلیم کی موجودگی میں کسی غیر مسلم کو یہ اندیشہ لامحالہ ہو سکتا ہے کہ اس کی تعلیمی ضروریات کا کون کفیل ہو گا۔ لیکن یہ اندیشہ بے جا ہے۔ ایک تعلیمی نظام کیا' اسلامی ریاست کے تو تمام امور ہی اسلامی نظام کے تحت چلتے ہیں مگر خود یہ نظام تمام غیر مسلموں کو ان کے

مذہبی و تعلیمی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے اور اس کی ضمانت خود آنحضرت ﷺ نے اپنے پہلے معاہدے میثاق مدینہ میں غیر مسلموں کو دی ہے۔[۲۱] اس لیے اسلامی نظام میں ان کے حقوق اور تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھا جانا ضروری ہے۔

تخصصات:

عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم اور خاص موضوعات پر تخصصات (Specialization) کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خود قرآن حکیم نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ہے۔ مثلاً فرمایا:

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين۔[۲۲]

"سو کیوں نہ نکلے ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ تاکہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔"

اس آیت میں تخصص فی الفقہ کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ ایک اور مقام پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لیے متخصصین کی تیاری کی تاکید ہے۔ فرمایا:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر۔[۲۳]

"تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔"

اور عہد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں بھی آپ ﷺ کی زیر تربیت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف مضامین میں تخصص و امتیاز حاصل کر لیا تھا جن میں سے بعض خوش نصیب ایسے تھے جنہیں اس اختصاص کی سند خود زبان نبوت سے ملی۔ مثال کے طور پر حضرت ابیؓ بن کعب کو قراءت و تجوید میں اختصاص حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔[۲۴] حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضاۃ میں امتیاز حاصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔[۲۵] اسی طرح علوم قرآنی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امتیاز کے حامل تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ صحابہ میں سب سے زیادہ علم قرآن رکھتے تھے۔[۲۶] اور علم تفسیر فقہ میں ابن مسعود کو شہرت ملی۔ خود آپ ﷺ نے یہ فرما کر انہیں سند عطا کی کہ تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔[۲۷] علم الفرائض میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے۔ آپ ﷺ کا قول مبارک ہے کہ "میری امت

میں علم فرائض سب سے زیادہ زید بن ثابت جانتا ہے۔"[۲۸] اور حلال و حرام کے علم میں معاذ بن جبلؓ درجہ امتیاز کے حامل تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن جبلؓ ہے۔[۲۹]

عصر حاضر میں بھی ہمیں ان خصوصیات کو زندہ رکھتے ہوئے آج کی ضرورت کے مطابق مختلف علوم وفنون کے ماہر تیار کرنا ہوں گے۔

حوالہ جات و تعلیقات

۱۔ سید عزیز الرحمن / استحکام پاکستان، سیرت طیبہ کی روشنی میں / زوار پبلی کیشنز کراچی، ۹۷ء / ص ۲۴

۲۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم: ابن ماجہ / السنن / دار المعرفۃ، بیروت / ج ۱، ص ۹۷، رقم ۲۲۴۔
ہیثمی / مجمع الزوائد / ج ۱، ص ۳۳۲، رقم ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴

۳۔ ملاحظہ کیجیے: مولانا قاضی اطہر مبارک پوری / خیر القرون کی درس گاہیں / ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۰ء۔ محمد یاسین شیخ / عہد نبوی ﷺ کا تعلیمی نظام / غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی ۸۹ء۔ پروفیسر رب نواز / آنحضور ﷺ کی تعلیمی جدوجہد / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۲۰۰۱ء۔ مولانا محمد عبد المعبود / عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم / مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء۔ پروفیسر سید محمد سلیم / اسلام کا نظام تعلیم / ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۹۳ء

۴۔ شبلی نعمانی / الفاروق / مکتبہ صدیقیہ، ملتان ۱۹۵۲ء / ج ۲، ص ۴۴۲

۵۔ پروفیسر سید محمد سلیم / اسلام کا نظام تعلیم / ص ۸۶

۶۔ احمد، ابو عبد اللہ محمد بن حنبل الشیبانی / المسند / دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۹۳ء / ج ۲، ص ۳۴۱، رقم ۶۵۰۔ ترمذی / ج ۴، ص ۳۰۵، رقم ۲۶۷۸۔ بخاری فی احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل

۷۔ احمد / ج ۲، ص ۵۱۷، رقم ۷۵۱۷۔ مجمع الزوائد / ج ۱، ص ۴۰۱، رقم ۱۷۴۱۔ طبرانی / المعجم الکبیر / رقم ۱۱۳۱۰

۸۔ الفاروق / ص ۴۴۲، ۴۵۰

۹۔ مجلہ تعلیم / انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد / شمارہ ۷، پاکستان میں تعلیم اور نجی شعبہ / مضمون: پروفیسر سید محمد سلیم / تعلیم فی سبیل اللہ کا احیا / ص ۸۸

۱۰۔ ابن قتیبہ / عیون الاخبار / بیروت / ج ۲، ص ۱۲۳

۱۱۔ ایضاً / ص ۱۶۴

۱۲۔ بیہقی / شعب الایمان / ج ۲، ص ۲۵۶۔ ترمذی / ج ۳، ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹

۱۳۔ ترمذی / ایضاً / رقم ۱۹۵۸

۱۴۔ یہ واقعات ذیل کے غزوات و اسفار میں آپ ﷺ کی مدینہ منورہ سے غیر موجودگی میں پیش آئے:
ملاحظہ کیجیے ابن سعد / الطبقات الکبریٰ / دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۹۷ء / ج ۲

(۱) غزوہ قرقرۃ الکدر / ص ۲۳ (۲) غزوہ بنی سلیم / ص ۲۷ (۳) غزوۂ احد / ص ۲۹ (۴) غزوہ بنی نضیر / ص ۲۴ (۵) غزوہ احزاب / ص ۵۱ (۶) غزوۂ بنی قریظہ / ص ۵۷ (۷) غزوۂ بنی لحیان / ص ۶۰ (۸) غزوۂ الغابہ / ص ۶۲ (۹) صلح حدیبیہ / ص ۷۳ (۱۰) فتح مکہ / ص ۱۰۲

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ابن ام مکتومؓ کو غزوۂ بدر میں صرف نمازوں کی امامت کے لیے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا: دیکھیے طبقات، ص ۸، ج ۲

۱۵۔ دیکھیے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی / نابینا علما / مجلس نشریات اسلام، کراچی

۱۶۔ بخاری، کتاب العلم وکتاب الاعتصام بالسنۃ، باب تعلیم النبی ﷺ امۃ من الرجال والنساء

۱۷۔ اسلام کا نظام تعلیم / ص ۹۰

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ سید مصطفی علی بریلوی / شہید ملت لیاقت علی خان / آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۲۰۰۱ء / ص ۶۳

۲۰۔ بخاری / کتاب العلم

۲۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ / الوثائق السیاسیۃ / دار النفائس، بیروت، ۸۵ء / ص ۵۹

۲۲۔ القرآن / سورۂ توبہ / آیت ۱۲۲

۲۳۔ القرآن / سورۂ آل عمران / آیت ۱۰۴

۲۴۔ شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد / معرفۃ القراء الکبار / ج ۱، ص ۲۹

۲۵۔ ابن حجر عسقلانی / تہذیب التہذیب، بیروت / ج ۷، ص ۳۳

۲۶۔ الصابونی، محمد علی / التبیان فی علوم القرآن / عالم الکتب، بیروت، ۸۵ء / ج ۷، ص ۶۸

۲۷۔ احمد / ج ۱، ص ۶۲۶، رقم ۳۵۵۸

۲۸۔ کنز العمال / رقم ۳۳۳۰۴

۲۹۔ ڈاکٹر، احمد امین / فجر الاسلام / مصر / ج ۲، ص ۱۷۱

شجرہ نسب جد مصطفیٰ ﷺ قرآن وسنت کی روشنی میں

ابُوذہیب محمد ظفر علی سیالوی غفرلہ

ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی روئے زمین پر جلوہ گری کے بعد تقریباً سوا تین ہزار سال، طوفانِ نوح کے 1709 سال بعد اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً 2300 برس قبل نمرود لعین کے دور پر فتن میں ابو الانبیاء خلیل الرحمن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کون تھے؟

اس سلسلے میں مفسرین، مؤرخین، اصحاب سیر اور علماء انساب کا اختلاف ہے، یہ اختلاف کیوں ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے پیچھے ایک اور اختلاف ہے جو کہ اس اختلاف کا پیش خیمہ اور سبب ہے وہ یہ کہ آیا کسی بھی نبی علیہ السلام کے والدین کافر ہو سکتے ہیں کیا؟ اس سلسلے میں علماء متاخرین و محققین کا یہی نظریہ ہے کہ کسی بھی نبی علیہ السلام کے والدین کافر و مشرک نہیں ہو سکتے۔

دوسری وجہ اس اختلاف کی یہ بھی ہے کہ بعض مؤرخین و مفسرین کے بقول کہ نمرود لعین کو کاہنوں نے خبر دی تھی کہ ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو دین شاہی و نمرود کا مخالف ہو گا، بتوں کو توڑے گا، نمبرود نے یہ خبر سن کر لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

جب حضرت خلیل الرحمن کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے ایک غار میں تشریف لے جا کر آپ علیہ السلام کو جنم دیا۔ آپ علیہ السلام اسی غار میں پرورش پاتے رہے،

آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ روزانہ وہیں تشریف لے جاتی اور دودھ پلا آتی، آپ علیہ السلام کی ولادت کو پوشیدہ رکھا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دن میں اتنے بڑے ہوتے جتنے عام بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں، تھوڑے ہی دنوں میں آپ جوانی کے قریب پہنچ گئے۔ اس کے بعد شام کے وقت غار سے نکل کر آبادی میں تشریف لائے۔ ایسی صورتحال میں ظاہر ہے کہ نمرود جیسے ظالم حکمران کے خوف سے آپ علیہ السلام کے والدین کے نام بھی خفیہ رکھے گئے ہوں گے اور عام لوگوں پر یہ ظاہر نہ ہوگا کہ آپ علیہ السلام کے والدین کون ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر بتادیا اور بعض نے تارخ۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے لیے کتابوں میں دو نام سامنے آتے ہیں۔ (۱)۔ آزر (۲)۔ تارخ، دونوں کے بارے میں اقوال بھی ملتے ہیں اور حوالہ جات بھی۔

اب فیصلہ کیسے ہو؟ تو اس کے لیے ہمارے پاس قرآن و حدیث موجود ہے، دیکھنا ہوگا کہ قرآن وحدیث سے تائید کس کی ہوتی ہے۔ آزر کی یا تارخ کی؟ جس کی تائید قرآن وسنت سے ہو وہی موقف صحیح اور راجح قرار پائے گا۔ قرآن وسنت کی عدالت میں یہ مسئلہ پیش کرنے سے قبل ان دونوں کا تعارف ہونا ضروری ہے۔

کہ آزر کون تھا اور تارخ کون؟ اس سے بات کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

آزر کون؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کے لیے جو پہلا نام پیش کیا جاتا ہے وہ آزر، اور آزر کا کافر و مشرک ہونا قرآن سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو الہ مانتا ہے؟ میں تجھ کو اور تیری قوم کو گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

(پارہ نمبر 7، سورۃ الانعام، آیت نمبر 74)

مندرجہ بالا آیت کریمہ آزر کے مشرک اور بت پرست ہونے پر قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی۔

تو آزر کے بارے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ مشرک وبت پرست تھا بتوں کو الہ مانتا تھا۔

تارخ کون؟

مفسر قرآن علامہ احمد بن احمد انصاری المصری المالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ہجری 1241 لکھتے ہیں:

وتارخ، ابوہ مات فی الفترۃ ولم یثبت سجودۃ لصنم

اور تارخ، وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے اور ان کا وصال ایسے زمانہ میں ہوا جب کوئی نبی نہ تھے اور ان سے بتوں کو سجدہ کرنا ثابت نہیں ہے۔

(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین، جلد 1، صفحہ 585، دارالحدیث قاہرہ مصر)

توجہ قارئین! مندرجہ بالا تعارف سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ آزر کافر و مشرک و بت پرست تھا اور بتوں کو الہ مانتا تھا۔

اور دوسری کہ جناب تارخ مؤحد تھے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو لاشریک مانتے تھے۔ علماء محققین کی تحقیق کے مطابق حضرت تارخ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اقوال کا سہارا لئے بغیر جناب تارخ کو والد تسلیم کرنا ہی صحیح راجح اور حق ہے کیونکہ وہ مؤحد تھے کافر و مشرک نہیں اور ہمارا بھی یہی مؤقف ہے کہ تارخ ہی والد ہیں۔ اس پر قرآن وحدیث سے شواہد و براہین پیش کریں گے اور اس کے بعد اقوال و حوالہ جات۔

دلیل نمبر:1

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کا ایک نافرمان اور منافق بیٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس کا نسب منقطع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۔اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ

فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے اس کے کام برے ہیں۔

(پارہ 12 سورت ھود آیت 46)

اگر بیٹا نافرمان اور کافر و مشرک و منافق ہو تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ عظمت نبوت کی خاطر، نبی سے اس کا نسب منقطع فرما دیتا ہے اور اعلان فرما دیتا ہے کتاب مبین میں: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ

جب کافر و منافق شخص نبی کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو ایک مشرک شخص جس کا مشرک ہونا نص قطعی سے ثابت ہے، آزر، جلیل القدر نبی خلیل الرحمن حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد کیسے ہو سکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے یہ فرما ہی دیا تھا کہ اے پیارے نوح! یہ تیرے اہل سے نہیں تو قرآن مجید میں یہ کیوں بیان فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف اور صرف عظمت نبوت کے لیے کہ کل کو کوئی بد باطن اعتراض نہ کرے کہ دیکھو جی اللہ کے نبی کا بیٹا کافر تھا۔

اس لیے رب کریم نے اس کا نسب منقطع فرما دیا۔ تو جب ایک کافر، نبی کا بیٹا کہلائے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو پسند اور گوارا نہیں تو رب کریم کو یہ کیسے پسند آئے گا اور گوارا ہو گا کہ ایک کافر، نبی کا باپ ہو؟

جب کافر نبی کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو والد کیسے؟

قرآن مقدس کی یہ آیت کریمہ بھی جناب تارخ کے والد ہونے کی دلیل ہے کیونکہ وہ موحد تھے کافر نہیں، جبکہ آزر کافر و مشرک و بت پرست اور بتوں کا الہ مانتا تھا۔

دلیل نمبر:2

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، قرآن کریم میں اس دعا کا ذکر اس طرح ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

(پارہ 13 سورت ابراہیم آیت 41)

حضرت خلیل الرحمن علیہ السلام کی یہ دعا تقریباً تمام مسلمانوں کو یاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں اپنے والدین کی بخشش و مغفرت کی دعا مانگی جبکہ آزر تو مشرک تھا اور

مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز ہی نہیں چنانچہ خالق مصطفی جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب مبین میں ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ

نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں۔(پارہ 11 سورۃ التوبہ آیت 113)

مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے کیونکہ وہ مشرک تھا اور شرک پر ہی اس کی موت ہو چکی تھی اور ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے جیسا کہ قرآن گواہ ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آزر جو کہ مشرک تھا بت پرست تھا۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے اس کو فرمایا کہ اسلام قبول کرلے میں تیرے لیے بخشش کی دعا کروں گا۔ قبول اسلام کی امید پر حضرت خلیل علیہ السلام اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے کہ میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ یہ اسلام بھی قبول کرے لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا اور نہ ہی اپنا وعدہ پورا کیا آخر کار شرک پر ہی اس کی موت ہوگئی۔

جب وہ مشرک مر گیا اور واصل جہنم ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس برات کا اعلان کر دیا اور اس کے لیے دعا کرنا چھوڑ دی، یاد رہے کہ اس وقت تک مشرکین کے لیے دعا نہ کرنے کا حکم نہیں تھا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کرنا صرف اس وعدے کی بنا پر تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیم بہت نرم دل نہایت حلم والے تھے۔(پارہ نمبر 11 سورۃ التوبہ آیت نمبر 114)

معلوم ہوا کہ آزر کفر پر مر چکا تھا، ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو چکا تھا اور آپ اس سے اعلان برات فرما چکے تھے تو اس کے مرنے کے تقریباً 50 سال بعد کی یہ دعا یا اللہ میرے والدین کو بخش دے، کس کے لیے؟

معلوم ہوا یہ دعا آزر کے لیے نہیں والد کے لیے تھی اور وہ مشرک نہیں بلکہ مؤحد تھے جن کا نام تارخ تھا۔

دلیل نمبر:3

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو فرمایا: قرآن کہتا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۔اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

اور ابراہیم کا اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ بے شک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

(پارہ نمبر 7 سورۃ الانعام آیت 74)

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے چند امور سامنے آتے ہیں۔

(1)۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایک تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو اس کا نام لے کر بلایا۔

(2)۔ اس کو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا کہا اور سخت سست کہا۔

(3)۔ والد کے ساتھ اس طرح کا انداز تکلم جائز و درست نہیں کیونکہ ارشاد خداوندی ہے وبا الْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، اور والدین سے حسن سلوک کرو اور فرمایا شکر ادا کرو میرا اور اپنے والدین کا۔ اور ایک مقام پر فرمایا ان کے لیے اپنے بازو جھکا دو اور انہیں اُف تک نہ کہو۔

اور یہ حکم بھی عام ہے والد چاہے کافر ہو یا مسلمان۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں حکم فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

تو اس سے نرم انداز میں بات کہیں اس امید پر کہ وہ نصیحت مان لے یا کچھ ڈرے۔

(پارہ 16 سورت طہٰ آیت 44)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ایک تو وہ آپ کی بات مانے اور دوسرا اس لیے کہ فرعون نے آپ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو جب تربیت کرنے والے کے لیے نرمی کا حکم ہے تو ابراہیم علیہ السلام جن کے حلم کا قرآن گواہ ہے اپنے والد کو اس طرح کا جملہ کہہ سکتے ہیں کیا؟

اس سے تو الزام آئے گا کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی نہیں پتہ کہ والدین کو مخاطب کیسے کیا جاتا ہے (نعوذ باللہ من ذلك) آپ علیہ السلام کا انداز گفتگو یہ بتاتا ہے کہ آپ اپنے والد سے نہیں کسی اور سے بات کر رہے ہیں۔

آیت کریمہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام کے والد تارخ ہیں آزر نہیں۔

آپ علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل کے ادب والد کا قرآن گواہ ہے۔

بقول اقبالؔ:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

تو جن کا لخت جگر اتنا باادب ہے اپنے والد محترم کا تو کیا وہ جلیل القدر والد اپنے والد سے اس طرح کلام کریں گے کہ نام لے کر بلائیں گے۔ گمراہ کہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ معلوم ہوا آزر والد نہیں ہے کیونکہ خطاب آزر سے ہے۔ تو اس سے بھی تارخ کے والد ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

دلیل نمبر:4

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَمْ يَزَلِ الله ينقطنيي من اصلاب طيبة الى ارحام طاهرة صافيا مهذبا تشعب شعبان الا كنت في خيرهما

ہمیشہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، میں پاک اور مطہر مہذب پیدا ہوا ہوں۔ جب نسل انسانی کے دو حصوں ہوئے تو مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر حصہ میں رکھا۔

دلائل النبوۃ، صفحہ 80، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

الحاوی للفتاوی، جلد 2، صفحہ 199، دار الکتب العلمیہ، بیروت

مواہب الدنیہ، جلد 1، صفحہ 55، فرید بکسٹال، لاہور

اور ارشاد فرمایا:

"لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات"

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک عورتوں کے ارحام میں منتقل ہوتا رہا۔

مواہب اللدینہ مع زرقانی، جلد 1 صفحہ 327، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

الحاوی للفتاوی، جلد 2، صفحہ 199، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

تفسیر غرائب القرآن، جلد 3، صفحہ 301، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

اور ارشاد فرمایا:

لم يزل الله تعالى ينقلني من الاصلاب الكريمة والارحام الطاهرة حتى اخرجني من ابوي لم يلتقيا على سفاح قط۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ عزت و کرامت والی پشتوں سے پاکیزہ اور طیب و طاہر رحموں میں منتقل کیا۔ یہاں تک کہ میں اپنے والدین کے پیدا ہوا اور مجھ تک جاہلیت کی سفاہت نہیں پہنچی۔

الشفاء بتصریف حقوق المصطفیٰ، جلد 1 صفحہ 59، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

شرح الشفاء القاضی عیاض، جلد 1 صفحہ 206، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

نسیم الریاض فی شرح شفاء، القاضی عیاض، جلد 2، صفحہ 143، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب، جلد 1، صفحہ 66، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

تاریخ الخمیس فی احوال نفیس، جلد 1، صفحہ 104، دار الکتب العلمیہ، بیروت

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آقا علیہ السلام ہمیشہ پاک مردوں عورتوں میں سفر فرماتے رہے، اب اگر آزر کو حضرت خلیل علیہ السلام کا والد قرار دیا جائے تو ان احادیث کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔

کیونکہ آزر کا مشرک ہونا قرآن سے ثابت ہے اور مشرک کا پلید و نجس ہونا بھی قرآن سے ثابت ہے لہذا مندرجہ بالا احادیث شریفہ کا مصداق جناب تارخ ہی ہو سکتے ہیں آزر نہیں۔

قابل غور بات:

خود سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ میں پاک لوگوں کی اولاد ہوں، میں ہمیشہ پاک اور طیب پشتوں سے طاہر و مہذب و کریم شکموں میں منتقل ہوتا آیا ہوں، میری تمام مائیں بھی پاک ہیں اور تمام آباء بھی۔

اور امتی یہ کہے اور اپنا زور و دماغ اس پر صرف کرے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آزر جیسے مشرک کی اولاد ہیں تو کیا وہ آدمی اس قابل ہے کہ اسے امتی کہا جائے؟ دوسری بات یہ کہ اگر آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد مانا جائے تو نہ صرف یہ کہ نسب مصطفی شرک سے آلودہ ماننا پڑے گا بلکہ حضرت خلیل علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء اکرم علیہما السلام تشریف لائے ہیں سب کو ہی ایک مشرک کی اولاد ماننا پڑے گا۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

ایک امتی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان سے، اپنے مال سے اور اپنے علم سے عظمت و ناموس مصطفی کا دفاع کرے، ہم ایسے علم سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، جسے پڑھ کر مقام مصطفی کا تحفظ نہ کیا جاسکے۔

دلیل نمبر:5

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو وعظ و نصیحت فرمائی، دعوت توحید و رسالت دی تو آزر بولا:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا

اس نے کہا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرتا ہے اے ابراہیم؟ بے شک اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے بے تعلق ہو جا۔ (پارہ نمبر 16، سورمریم، آیت 46)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دیوبندی مکتب فکر کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

معلوم ہوتا ہے کہ تو ہمارے سارے معبودوں سے بدعقیدہ ہے، بس اپنی بداعتقادی اور وعظ و نصیحت کو رہنے دو، ورنہ تجھ کو کچھ اور سننا پڑے گا بلکہ میرے ہاتھوں سنگسار ہونا پڑے گا۔ اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے پاس سے ایک مدت (عمر بھر) کے لیے دور ہو جا۔ میں تیری صورت نہیں دیکھنا چاہتا، اس سے پہلے کہ میں تجھ پر ہاتھ اٹھاؤں یہاں سے روانہ ہو جا۔

(تفسیر عثمانی، جلد 2، صفحہ 684، مکتبۃ البشری، کراچی پاکستان)

یہ گفتگو آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کی۔ اس انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنی گفتگو اور نظروں سے دور کرنا اور مارنے اور سنگسار کرنے کی دھمکی دینا، یہ سب کہنا والا والد سے نہیں کسی اور سے ہے۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انداز بیان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام والد سے نہیں کسی اور سے بات کر رہے ہیں۔ یونہی اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مارنے اور سنگسار کرنے والا بیٹا نہیں کوئی اور ہی ہے اور یہ آیت بھی اس کی تائید کر رہی ہے اشارتاً۔

دلیل نمبر:6

مفسر قرآں، حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 1225 لکھتے ہیں کہ:

فمن المحال ان یکون بعض اباء النبی مع کونہ محبوبا اللہ کافرا

یعنی یہ محال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں سے کوئی کافر بھی ہو۔

(تفسیر مظہری جلد 3 صفحہ 293، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان)

آزر چونکہ کافر و مشرک ہے تو اگر اس کو جناب خلیل علیہ السلام کا والد مانا جائے تو مندرجہ بالا تصریح کے مطابق محال لازم آئے گا اور جس وجہ سے محال لازم آئے وہ وجہ باطل ہے۔ جب آزر کا خلیل الرحمن علیہ السلام کا والد ہونا باطل ہوا تو ہمارا مؤقف ثابت ہو گیا کہ آزر نہیں بلکہ جناب حضرت تارخ ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم ہیں۔

قارئین! اب ہم آپ کی خدمت میں چند حوالہ جات پیش کریں گے جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ ہیں آزر نہیں۔

حوالہ نمبر:1

الامام، الحافظ، شیخ الاسلام عبد الرحمن ابن ابی حاتم محمد بن ادریس رازی رحمتہ اللہ علیہ متوفی، ہجری 347 حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

ان ابا ابراھیم لم یکن اسمہ، آزر و انما کان اسمۃ تارخ

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کا نام آزر نہیں تھا بلکہ آپ علیہ السلام کے والد گرامی کا اسم گرامی تارخ تھا۔

تفسیر ابن ابی حاتم، جلد 3، صفحہ 375، رقم الحدیث 7523، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان

تفسیر در منثور، جلد 3، صفحہ 81، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

تفسیر مظہری، جلد 3، صفحہ 283، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان

تفسیر روح المعانی، جلد 7، صفحہ 254، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 254، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان

الحاوی للفتاوی، جلد 2، صفحہ 202، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان

تقدیس والدین مصطفی، صفحہ 75، دار العرفان، لاہور

حوالہ نمبر:2

امام ابن شیبہ، ابن منذر، ابن ابی حاتم بعض صحیح طرق کے ساتھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لیس ازر ابا ابراھیم

آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں ہے۔

تفسیر ابن ابی حاتم، جلد 3، صفحہ 375، رقم الحدیث 7524، دار الکتب العلمیہ، بیروت

تفسیر در منثور، جلد 3، صفحہ 81، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 281، دار حیاء للتراث العربی، بیروت لبنان

تفسیر مظہری، جلد 3، صفحہ 283، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور پاکستان

الحاوی للفتاوی، جلد 2، صفحہ 202، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

تقدیس والدین مصطفی، صفحہ 75، دار العرفان، لاہور

حوالہ نمبر:3

امام ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لیس اذر بابیہ انما ھو ابراھیم ابن تارخ

ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نہیں بلکہ آپ علیہ السلام کے والد تارخ ہیں۔

تفسیر در منثور، جلد 3، صفحہ 83، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

تفسیر روح المعانی، جلد 7، صفحہ 254، مکتبہ رشید، کوئٹہ

الحاوی للفتاوی، جلد 2 صفحہ 202، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان

تفسیر مظہری، جلد 3، صفحہ 283، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

پاکستان تقدیس والدین مصطفی صفحہ 75، دارالعرفان لاہور

حوالہ نمبر:4

امام حافظ عبد الرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس رازی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 347 صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کہا گیا ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر ہیں۔

فقال بل اسمہ تارخ

فرمایا: نہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہیں۔

تفسیر ابن ابی حاتم، جلد 3، صفحہ 375، رقم الحدیث 7522، دار الکتب العلمیہ، بیروت

الحاوی للفتاوی، جلد 2، صفحہ 203، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان

تفسیر مظہری، جلد 3، صفحہ 283، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

تقدیس والدین، مصطفی صفحہ 75، دارالعرفان، لاہور

تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 282، دار حیاء للتراث العربی، بیروت لبنان

حوالہ نمبر:5

مفسر قرآن علامہ احمد بن احمد الصاوی المالکی المصری رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 1241 لکھتے ہیں کہ:

تورات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔

حاشیۃ الصاوی علی الجلالین، جلد 1، صفحہ 585، دارالحدیث، قاہرہ، مصر۔

حوالہ نمبر:6

حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری لکھتے ہیں:

واسمہ تارخ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔

تفسیر ملا علی قاری، جلد 2، صفحہ 41، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

حوالہ نمبر:7

فقیہ ابو اللیث علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وکان اسم ابیہ تارخ

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

تفسیر سمرقندی، جلد 1، صفحہ 445، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

حوالہ نمبر:8

علامہ نظام الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ہجری 728 لکھتے ہیں:

والد ابراھیم کان تارخ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

تفسیر غرائب القرآن، جلد 3، صفحہ 103، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

حوالہ نمبر:9

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا۔

حاشیہ جلالین، صفحہ 118، مکتبۃ الحسن، لاہور

حوالہ نمبر:10

پہلے سیرت نگار محمد بن اسحاق، سیرت کی پہلی کتاب میں لکھتے ہیں:

ابراھیم بن تارخ

سیرت ابن اسحاق، صفحہ 65، مکتبہ نبویہ، لاہور

حوالہ نمبر:11

مشہور سریت نگار علامہ عبد الملک بن ہشام لکھتے ہیں:

ابراھیم بن تارخ...

سیرت ابن ہشام مع روض الالف، جلد 1، صفحہ 44، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

حوالہ نمبر:12

علامہ زرقانی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 1144 لکھتے ہیں:

لیس آزر ابا ابراھیم انما ھو ابراھیم بن تارخ

آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں ہے۔ بے شک وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

زرقانی علی المواہب، جلد 1، صفحہ 331، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

حوالہ نمبر:13

حافظ عماد الدین ابن کثیر دمشقی متوفی ہجری 774 لکھتے ہیں:

ابراھیم بن تارخ...

البدایۃ والنھایہ، جلد 1، صفحہ 178، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان

حوالہ نمبر:14

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں:

ابراھیم بن تارخ...

المنتظم فی تواریخ الملوک والامم، جلد 1، صفحہ 148، دار الفکر، بیروت، لبنان

حوالہ نمبر:15

دیوبندی مکتب فکر کے مشہور عالم دین جناب شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

علماء انساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ لکھا ہے۔

تفسیر عثمانی، جلد 1، صفحہ 288، مکتبہ البشری، کراچی۔

حوالہ نمبر:16

مفتی شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے اور اکثر مؤرخین نے ان کا نام تارخ بتلایا ہے۔ امام رازی اور علماء سلف میں سے ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔

معارف القرآن، جلد 3، صفحہ 379، ادارۃ المعارف، کراچی

سوال:

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام تارخ ہے تو پھر آزر کون؟

جواب:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ علامہ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 911 لکھتے ہیں کہ:

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان بن صرو سے روایت کیا ہے کہ:

جب کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیاں جمع کرنے لگے، حتیٰ کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کرنے لگی، جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال چکے تو اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ۔ (سورۃ الانبیاء، آیت 69)

اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا (جب آپ علیہ السلام آگ سے سلامت رہے تو)

فَقَالَ عَمه ابراهيم من اجلى رفع عنه۔

ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا کہ میری وجہ سے ان کا عذاب دور کیا گیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلا دیا۔

اس اثر صحیح میں یہ تصریح ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر اس وقت ہلاک کیا گیا جب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ آگ والا معاملہ پیش آیا۔ اللہ کریم

جل جلالہ نے قرآن میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ آزر اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لیے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور احادیث مبارکہ میں ہے کہ وہ حالت شرک میں مر گیا تو ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور پھر اس کے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی زندگی میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے پھر جب وہ مشرک ہی مر گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

پھر آگ میں ڈالے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے، پھر ہجرت کے کافی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سیّدہ سارہ رضی اللہ عنہ کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی باندی بنا دی گئیں۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ شریف منتقل کر دیں تو مکہ شریف جا کر ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخشش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب ہو گا۔ (پارہ نمبر، 13 سورۃ ابراہیم، آیت 41)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کا چچا تھا والد نہیں۔

امام محمد بن سعد نے الطبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کی عمر شریف 37 برس تھی پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا، پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔

پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ آئے اور ایلیا اور فلسطین کے درمیان چلے گئے، پھر وہاں کے لوگوں نے آپ کو ستایا تو پھر آپ علیہ السلام رملہ اور ایلیا کے درمیان چلے گئے، امام محمد بن سعد نے

واقدی سے روایت کیا ہے کہ 90 برس کی عمر پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، اور ان دونوں اثروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ نے بابل سے ہجرت کی اور مکہ مکرمہ میں جو آپ نے دعا کی تھی ان کے درمیان 50 سال سے زائد کا عرصہ ہے۔

طبقات ابن سعد، جلد 1، صفحہ 19، دار احیاء التراث العربی، بیروت

الحاوی للفتاوی، جلد 2، صفحہ 203، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا مفصل تحقیق سے معلوم ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جو کہ شرک کی حالت میں مر گیا۔ آپ اس سے بیزار ہو گئے، اس کے لیے دعا کرنا چھوڑ دی تو پھر 50 سال سے زائد عرصہ بعد جو آپ علیہ السلام دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! میرے والدین کو بخش دے یہ کس کے لیے؟

آزر کے لیے تو آپ علیہ السلام دعا کرنا چھوڑ چکے تھے اور نہ ہی کسی نبی کے لیے جائز ہے کہ وہ مشرک کے لیے بخشش کی دعا کرے تو پھر یہ دعا کس کے لیے تھی؟ تو ماننا پڑے گا کہ 37 سال کی عمر شریف میں دعا چھوڑ دی تھی اپنے چچا آزر کے لیے اور 90 سال کی عمر پاک میں دعا کی تھی اپنے والدین کے لیے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے والد مومن تھے تب ہی تو آپ علیہ السلام نے ان کی بخشش کی دعا فرمائی تھی اور آزر چچا تھا اور مشرک تھا۔

حوالہ نمبر 1:

شارح بخاری، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ہجری 943، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر، اسرار التنزیل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان ازر لم یکن والد ابراھیم بل کان عمه، واحتجوا علیه بوجوه، منھا: ان اباء الانبیاء ما کانوا کفارا، ویدل علیه وجوه...

بے شک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے، بلکہ وہ آپ علیہ السلام کا چچا ہے اور اس پر امام رازی نے متعدد وجوہ سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے آباء کافر نہیں ہو سکتے اور اس پر بھی امام رازی علیہ الرحمۃ نے کئی وجوہات سے استدلال کیا ہے۔

مواہب اللہ مبینہ مع زرقانی، جلد 1، صفحہ 326، دار الکتب العلمیہ، بیروت

حوالہ نمبر2:

علامہ زرقانی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 1144 لکھتے ہیں:

واضح قول یہی ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے جیسا کہ امام رازی نے کہا کہ لا ابوہ وہ اُن کا والد نہیں ہے، جیسا کہ ہم سے پہلے اسلاف کی ایک پوری جماعت کا یہ مؤقف ہے اور ہم نے اسانید کے ساتھ ابن عباس، مجاہد، ابن خریج اور سدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا:

لیس آزر ابا ابراھیم انما ھو ابراھیم ابن تارخ

ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں ہے بلکہ وہ تو ابراہیم بن تارخ ہیں۔

اور میں ایسے اثر صحیح سے واقف ہوں جسے ابن منذر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور اس میں صراحت ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے۔

اور اس کی ایک دلیل تو سورج کی طرح واضح اور روشن ہے جس کی صراحت و وضاحت شہاب ہیثمی نے کی ہے اور تمام اہل کتاب اور اہل تاریخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ نہیں ہے، بے شک وہ آپ علیہ السلام کا چچا ہے اور اہل عرب چچا کو باپ کہتے ہیں۔

زرقانی علی المواہب، جلد 1، صفحہ 301-300، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

حوالہ نمبر3

مفسر قرآن، حضرت علامہ قاصی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی حنفی پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 1225 لکھتے ہیں کہ:

آزر حقیقت میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، امام رازی نے کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، وہ باپ نہیں تھا یہی قول اسلاف کی ایک جماعت کا ہے۔ زرقانی نے مواہب کی شرح میں کہا ہے کہ اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا وہ شہاب ہیثمی کی وضاحت ہے کہ اہل کتاب اور مؤرخین کا اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جس طرح امام رازی نے فرمایا:

امام سیوطی نے کہا کہ ہم نے کئی سندوں سے حضرت ابن عباس، مجاہد، ابن جریر اور سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا بلکہ آپ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا، سیوطی نے کہا کہ تفسیر ابن منذر میں ایک ایسے قول پر آگاہ ہوا جس میں یہ تھا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، قاموس میں ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام تھا۔ آپ علیہ السلام کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔

تفسیر مظہری، جلد 3، صفحہ 283، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

حوالہ نمبر4

قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب میں مندرجہ بالا تحقیق قلمبند فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ آزر کے متعلق راجح قول یہ ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

تقدیس والدین مصطفی، صفحہ 75، دار العرفان، لاہور

حوالہ نمبر5:

مفسر قرآن علامہ شیخ احمد بن احمد الصاوی المالکی المصری رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 1241 لکھتے ہیں کہ:

انہ کان عمہ

بے شک وہ (آزر) ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

حاشیہ الصاوی علی الجلالین، جلد 1، صفحہ 585، دار الحدیث، قاہر، مصر

حوالہ نمبر6:

علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن حمد بن محمود نسفی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 710 لکھتے ہیں کہ نسب بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ بلاشبہ آپ علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔

تفسیر مدارک التنزیل، جلد 1، صفحہ 674، فرید بک سٹال، لاہور۔

حوالہ نمبر7:

صدر الفاضل، فخر الاماثل، استاذ العلماء حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ الھادی اپنی مشہور زمانہ اور اُردو زبان کی سب سے جامع اور مستند تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے، امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے، بالخصوص عرب میں....

تفسیر خزائن العرفان، صفحہ 258، علم دین پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان

حوالہ نمبر8:

حکیم الامت، مفسیر شہیر حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: یہاں باپ سے مراد چچا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے عرب میں عام طور پر چچا کو باپ کہا جاتا ہے قرآن حکیم میں بھی بہت جگہ چچا کو باپ فرمایا ہے...

تفسیر نور العرفان، صفحہ 165، نعیمی کتب خانہ، گجرات، پاکستان

حوالہ نمبر9:

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن الحسن رحمتہ اللہ علیہ متوفی ہجری 728 لکھتے ہیں: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر تو آپ علیہ السلام کا چچا تھا اور عربی میں چچا پر اَب کا اطلاق عام طور پر ہوتا ہے۔

تفسیر غرائب القرآن ورغائب العرفان، جلد 3، صفحہ 103، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

مندرجہ بالا تحقیق سے اور ایک درجن سے زائد حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آزر حضرت سیّدنا خلیل الرحمن ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

اعتراض:

قرآن کریم تو یہ فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا، تو جب قرآن باپ کہہ رہا ہے تو پھر ہم اس کو چچا کیوں مانیں؟ اور ایک بھی نہیں کئی مقامات پر کہا۔

جواب:

اس الجھن کو سلجھانے کے لیے ہمیں قرآن وحدیث اور اصول کو سمجھنا ہوگا۔ لفظ ”اَب“ عربی ہے اور اس کا استعمال بکثرت قرآن مجید میں ہے، کہیں قرآن کریم میں سگے باپ یعنی والد کے لیے

استعمال ہوا ہے، کہیں چچا اور کہیں دادا کے لیے جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ یہ میرا قمیص لے جاؤ اور میرے باپ یعنی والد محترم کے چہرے پر ڈال دو ان کی بصارت لوٹ آئے گی۔

فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا۔

تو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

(پارہ نمبر 13، سورۃ یوسف، آیت 93)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں لفظ "اَبْ" سگے باپ یعنی والد جس کی صلب سے انسان پیدا ہوا کے لیے آیا ہے اور کہیں یہ لفظ "اَبْ" والد، دادا، پردادا کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ

اور نہ نکاح کرو ان سے جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا۔(پارہ۔4، سورت نساء، آیت 22)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں لفظ "اَبْ" باپ، دادا، پردادا کے لیے استعمال ہوا ہے اور کہیں یہی لفظ "اَبْ"، والد، دادا، اور چچا کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے:

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا

انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ، دادا اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود ایک معبود کی ...(پارہ 1، سورۃ بقرہ، آیت 133)

مندرجہ بالا آیت میں لفظ، اَبْ، چچا کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ اس آیت میں ہے کہ اولاد یعقوب نے حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کے آباء میں شامل کیا اور کہا حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہیں، چچا ہیں۔

تو مسئلہ واضح ہو گیا اور قرآن کریم سے معلوم ہو گیا کہ لفظ "اَبْ" صرف اور صرف والد کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ باپ، دادا، پردادا اور چچا کو بھی "اَبْ" کہنا قرآن سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ لفظ "اَبْ" صرف والد معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ خالص جہالت اور بے علمی اور قرآن کریم سے ناواقفی اور عدم مطالعہ کی واضح دلیل ہے۔

جس طرح قرآن کریم میں "اَبْ" یعنی باپ سے تعبیر کیا گیا اسی طرح حدیث شریف سے بھی اس کی مثال ملتی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے بھی چچا کو باپ یعنی "اَبْ" فرمایا چنانچہ ملاحظہ ہو۔

نبی مکرم، رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم چچا حضرت سیّدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو اپنا باپ فرمایا، ایک جگہ فرمایا کہ میرے چچا عباس میرے آباء میں سے باقی ہیں اور ایک حدیث شریف تو واضح طور پر باپ فرمایا ملاحظہ ہو۔

حضرت سیّدنا حسن مجتبیٰ بن سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

احفظونی فی العباس، فانہ بقیۃ ابائی

کنز العمال، جلد 11، صفحہ 320، رقم الحدیث 33395، دار الکتب العلمیہ، بیروت

اب دیکھئے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا چچا بھی فرمایا اور باپ بھی اور کچھ بھی دینی معلومات رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔

اور سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

العباس عم رسول اللہ صلی صلی اللہ علیہ وسلم وان عم الرجل صنوابیہ۔

حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ رسول کائنات ﷺ کے چچا ہیں اور چچا باپ کی طرح ہوتا ہے۔

کنز العمال، جلد 11، صفحہ 320، رقم الحدیث 33380، دار الکتب العلمیہ، بیروت

تو قرآن وسنت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لفظ "اَبْ"، "اَبِیْ"، صرف سگے باپ کے لیے ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا اور چچا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب ایک لفظ اتنے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے تو پھر اس لفظ "اَبِیْ" سے استدلال کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کا والد مراد لینا کوئی خاص علمی جلالت معلوم ہوتی ہے۔

اعتراض:

یہ تو معلوم ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام تارخ تھا اور آزر آپ علیہ السلام کا چچا تھا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ عربی زبان میں چچا کو بھی باپ کہا جاتا ہے لیکن تراجم قرآن پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علماء نے ترجمہ باپ ہی کیا ہے۔

حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی اور غزالی زمان علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر علماء اہلسنت بھی نے ترجمہ باپ ہی کیا ہے تو ایسے میں ہم آپکی بات کو کیسے مانیں؟

جواب:

جسے عربی زبان میں لفظ "اَبْ" کو سمجھنے کی ضرورت تھی اس طرح اُردو میں باپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اُردو زبان میں بھی باپ کا استعمال ولد اور چچا اور تایا وغیرہ کے لیے ہوتا ہے۔

جیسا کہ تایا ابو، بڑے ابو، چھوٹے ابو عام طور پر بولا جاتا ہے اس کا انکار وہی کریگا جو اُردو محاورہ سے نابلد ہوگا یا پھر تجاہل عارفانہ کا شکار ہوگا اس لیے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ یا دیگر علماء اہلسنت کے تراجم کو دلیل بنانا کہ انہوں نے ترجمہ باپ کیا ہے، غلط ہے، لفظ اَبْ کی طرح لفظ "اُم" کا استعمال کہیں والدہ کے لیے ہوا ہے جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے۔ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ تو اس کی ماں کے تہائی ہے۔ (پارہ 4، سورت نساء، آیت 11)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں لفظ "اُم" سگی والدہ کے لیے استعمال ہوا ہے، اور کسی مقام پر یہی لفظ والدہ، دادی، پردادی، نانی، پرنانی وغیرہ کے استعمال ہوتا ہے جیسے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ۔ (پارہ 4، سورت نساء، آیت 23)

اور کہیں یہی لفظ دودھ پلانے والی یعنی رضاعی ماں کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے:

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا۔ (پارہ 4، سورت نساء، آیت 23)

الغرض لفظ، اَبْ اور لفظ اُمّ یہ صرف سگے حقیقی ماں باپ کے لیے نہیں بلکہ باپ، چچا، دادا، پردادا، سگی ماں، دادی، پردادی، نانی، پرنانی وغیرہ سب کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس طرح واضح ہو گیا کہ یہ لفظ، اب قطعی الدلالت نہیں ہے۔

جبکہ ماں باپ کے لیے ایک اور لفظ بھی استعمال ہوا ہے قرآن مجید میں والد، والدہ، والدین، چند آیات ہم پیش کرتے ہیں۔

(1)۔ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَیَّ الْمَصِيْرُ

اور ہم نے آدمی کو اس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) حکم فرمایا اس کی ماں نے اسے (پیٹ میں) اٹھایا کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس کی عمر میں ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر میری طرف لوٹنا ہے۔(پارہ21، سورت القمان، آیت 14)

(2)۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا۔

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا۔(پارہ نمبر20، سورت العنکبوت، آیت 8)

(3)۔وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا۔

اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔(پارہ26، سورۃ الاحقاف، آیت 15)

(4)۔ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا

وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور نہ سرکش اور نافرمانی کرنے والے۔

(پارہ16، سورت مریم، آیت 32)

(5)۔ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ.......

جو تو نے انعام کیا مجھ پر اور میرے والدین پر۔(پارہ نمبر19، سورت النمل، آیت 19)

(6)۔وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ۔

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف۔(پارہ26، سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 17)

(7)۔وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال یہ اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہتے۔(پارہ نمبر2، سورت البقرہ، آیت نمبر 223)

(8)۔وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا

اور میری والدہ نے مجھے نیکی کرنے والا بنایا، اور مجھے نافرمان نہیں کیا۔(پارہ16، سورت مریم، آیت 32)

(9)۔اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ

جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کرو میرا وہ احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر۔

(پارہ نمبر7، سورت المائدہ، آیت 110)

(10)۔رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

اے ہمارے ربّ مجھے اور میرے والدین کو بخشش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب ہو گا۔(پارہ نمبر13، سورت ابراہیم، آیت 41)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ..

مندرجہ بالا دس آیات طیبات پڑھنے کا آپ نے شرف حاصل کیا ان تمام آیات میں لفظ، وَالِد، وَالِدَات، والدیہ والدیك، والدی، والدہ، والدیٰ وغیرہ الفاظ جہاں بھی قرآن پاک میں آیا ہے صرف حقیقی ماں باپ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

جن کے صلب اور بطن سے انسان پیدا ہوا ہے جیسے فقہی اصطلاح میں اس اصل قریب کہتے ہیں یہ لفظ، چچا، دادا، پردادا غیرہ کے لیے کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ مندرجہ بالا تحقیق سے لفظ اَبْ اور لفظ والد کا فرق معلوم ہوا اب رہی بات یہ کہ آزر کو قرآن مجید میں لفظ اَبْ سے تعبیر کیا یا کہ والد سے۔

تو آیئے کلام مجید کو پڑھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں:

(1)۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ (پارہ نمبر 7، سورۃ الانعام، آیت 74)

(2)۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ

جب انہوں نے اپنے اور اپنے (مخاطب) لوگوں سے فرمایا کیا ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ (پارہ نمبر 23، سورۃ الصافات، آیت 85)

(3)۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ

اور جب ابراہیم نے باپ اور اپنے (مخاطب مشرک) لوگوں سے فرمایا بے شک میں ان سب سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ (پارہ نمبر 25، سورۃ الزخرف، آیت 26)

(4)۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا۔

(پارہ نمبر 16، سورۃ مریم، آیت 42)

جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ کیوں ایسی چیز کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے۔

(5)۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ

جب انہوں نے اپنے باپ اور مشرکین سے فرمایا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟

(پارہ نمبر 19، سورۃ الشعراء، آیت 70)

(6)۔ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ

اور میرے باپ کو بخش بے شک وہ گمراہوں میں سے ہے۔(پارہ نمبر 19،سورۃ الشعراء، آیت 86)

(7)۔قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

ابراہیم کا یہ قول اپنے باپ سے کہ میں تیرے لیے ضرور بخشش چاہوں گا۔

(پارہ نمبر 28، سورۃ الممتحنہ، آیت 4)

(8)۔وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مغفرت طلب کرنا صرف اس وعدے کی بنا پر تھا جو وہ ان سے کر چکے تھے۔(پارہ نمبر 11، سورۃ التوبہ، آیت 114)

مذکورہ بالا آیات طیبات میں کہیں بھی آزر کو والد نہیں کہا گیا بلکہ پورے قرآن پاک میں کہیں بھی آزر کے لیے والد کا لفظ نہیں بولا گیا جو کہ سگے کے لیے بولا جاتا ہے، مذکورہ تمام آیات میں اَبْ کا لفظ موجود ہے جو کہ چچا کے معنی میں ہے اور ان تمام آیات میں آزر ہی مراد ہے۔

اگر وہ والد تھا تو کم از کم ایک بار تو اس کے لیے وہ لفظ بولا جاتا جو کہ عربی زبان میں سگے والد کے لیے بولا جاتا ہے پر وہ والد ہوتا تو کہا جاتا نہ وہ تو والد ہے ہی نہیں بلکہ چچا ہے۔

اعتراض:

وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ۔ (سورۃ الشعراء، آیت 86، پارہ 19)

آزر کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا منقول ہے جس کی تعبیر لابی سے کی گئی ہے اور آزر ہی کے لیے دوسری دعا یہ ہے کہ واغفرلی ولوالدی، یہاں والدی تعبیر ہے، لہذا یہ کہنا کہ آزر کو قرآن میں والد نہیں کہا گیا ہے کہاں تک درست ہے اور والدی سے مراد کون ہے؟

جواب:

یہ دعا سورت شعراء میں ہے اور لابی، کے ساتھ منقول ہے وہاں پر آزر مراد ہے جو کہ گمراہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور سورت ابراہیم کی آیت 41 میں لوالدی کے ساتھ جو دعا منقول ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی والدین یعنی حضرت تارخ اور ان کی زوجہ محترمہ مراد ہیں۔

آزر جس کو قرآن نے اَبْ فرمایا اس کے لیے آپ علیہ السلام نے دعا کرنا چھوڑ دی جبکہ وہ مر گیا اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف 37 برس تھی، پھر وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 99 سال تھی اس کے 13 برس بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 112 سال تھی۔

اس کے بعد خلیل علیہ السلام نے اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے، والدین کے لیے اور مومنین کے لیے دعا فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بعد والی دعا چچا آزر کے لیے نہیں والد تارخ اور والدہ محترمہ کے لیے تھی پہلی دعا جو آزر کے لیے تھی اور دوسری دعا جو والدین کے لیے تھی اس میں چند طرح فرق سے ملاحظہ ہو۔

(1)۔ آزر کے لیے دعائے مغفرت آزر کی زندگی میں فرمائی جبکہ اس کے ایمان کی امید تھی اور دوسری دعا بڑھاپے میں حقیقی والدین کے لیے فرمائی اور اس وقت تک تو آزر کا کفر محقق ہو چکا تھا اور اس سے متنفر ہو چکے تھے اور نص قطعی سے کافر کے لیے دعا مغفرت منع ہے۔

(2)۔ آزر کے لیے یہ لفظ مفرد لابی، کا لفظ استعمال فرمایا جو کہ چچا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس دعا میں صرف آزر شامل ہے کیونکہ صیغہ مفرد ہے اگر اس سے والد ہی مراد لیا جائے تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے والدہ کے لیے دعا نہیں کی چچا کو بھی باپ یعنی اَبّا کہہ دیتے ہیں تا کہ ان کی طرف خصوصی توجہ قائم رہے اور چچا کا لفظ اگر کسی بڑے کے لیے کوئی استعمال کرتا ہے تو اس کو نہایت ہی مہذب سمجھا جاتا ہے اور لفظ اَبّا میں تو چچا سے بھی زیادہ اظہار عظمت ہے، جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب آپ اس بات کو غور سے سنیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی قوم پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ آزر بہت بڑا پجاری اور بت پرست و بت تراش ہے اور ان کا قوم پر بڑا اثر و رسوخ ہے۔

اور قوم کا سردار ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس کا درجہ چچا کا تھا اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کو یابست (اے میرے باپ) کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔

سورت مریم میں چار مقامات پر اس لفظ سے خطاب و یاد فرمایا، ملاحظہ ہو

(1)۔ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا

(2)۔ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا

(3)۔ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا

(4)۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا

(1)۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ کیوں ایسی چیز کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے نہ تیرے کچھ کام آئے۔

(2)۔ اے میرے باپ بے شک میرے لیے وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں لہذا تو میری پیروی کر اور میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔

(3)۔ اے میرے باپ شیطان کی پوجا نہ کرے شیطان رحمان کا نافرمان ہے۔

(4)۔ اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمان کا عذاب پہنچے پھر تو ہو جائے شیطان کا ساتھی۔ (پارہ نمبر 16، سورت مریم، آیات 45-42)

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزر کو اس طرح مخاطب کرنا یعنی باپ کہنا محض اس کے دل کو خوش کرنے کے لیے اس امید پر تھا اگر یہ ایمان لے آیا تو اس کے ساتھ اس کی قوم بھی دعوت اسلام قبول کر لے گی۔ اسی لیے آپ علیہ السلام نے آزر کے ایمان اور مغفرت کے لیے دعا کا وعدہ بھی فرمایا۔ اور اسی لیے اس کو باپ بھی کہتے کیونکہ چچا ہونے کی صورت میں باپ کی جگہ پر تو تھا ہی پر آپ علیہ السلام چچا کی جگہ باپ ہی فرماتے تاکہ یہ متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے، اور قرآن کریم نے چونکہ ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا تو اللہ کریم نے اپنے خلیل علیہ السلام کے اندازِ تکلم کو قائم رکھا تاکہ نقل و حکایت واقع کے مطابق ہو۔

اور ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ آپ علیہ السلام نے آزر کو بھی والد نہیں کہا اور لفظ والد سے خطاب نہیں کیا کیونکہ والد وہ ہوتا تو آپ لفظ والد استعمال فرماتے اور قرآن کریم نے بھی کسی بھی مقام پر آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار نہیں دیا۔ اس طرح چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو کبھی چچا نہیں کہا اس لیے قرآن کریم نے بھی نہیں کہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے صرف لفظ اَبٌ استعمال کیا اور قرآن نے بھی لفظ اَبٌ ہی استعمال کیا۔

اس طرح آزر کی تالیف قلب بھی ہوتی رہی اور والد بھی قرار نہ پایا بلکہ چچا تھا اور چچا ہی رہا۔

دلیل مخالف سے استدلال:

معترضین جس آیت سے استدلال کرتے ہیں حق تو یہ ہے کہ وہ آیت کریمہ بھی ہمارے موقف پر دلالت کرتی ہے، ملاحظہ ہو:

وَإِذْ قَالَ اِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ.......

سے اشارہ ملتا ہے کہ آزر باپ یعنی والد نہیں بلکہ چچا تھا کیونکہ جب باپ کہہ دیا تو تعین مراد تو ہو چکی تو آزر کے نام کی پھر کیا ضرورت تھی کیونکہ باپ تو انسان کا ایک ہی ہوتا ہے تو اللہ کریم نے آزر کا نام اس لیے ذکر کیا تاکہ پڑھنے والے کا دماغ کہیں سگے والد کی طرف نہ چلا جائے جو کہ مومن تھے بلکہ ساتھ نام کا ذکر کیا کہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ اس سے مراد والد نہیں بلکہ آزر ہے جو کہ چچا تھا اور اس کو آپ باپ کہتے تھے وہ مراد ہے، ورنہ اگر آیت یوں ہوتی کہ۔ ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا، تو مطلب واضح تھا لیکن قاری سوچتا کہ ظاہر ہے۔ پھر والد ہی مراد ہے تو اللہ تعالیٰ نے ساتھ نام ذکر کر دیا یہ اعتراض پیدا ہی نہ ہو۔

اعتراض:

حدیث شریف میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر سے ملاقات ہوگی۔ اگر آزر والد نہیں بلکہ چچا تھا تو نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت تو فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آزر کو باپ کیوں فرمایا؟

جواب:

اس اشکال کو دور کرتے ہوئے محقق اعلیٰ لاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء شرک و کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں ان کے نزدیک آزر چچا ہیں، ان کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ ہے، اسی وجہ سے، مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو اور ان کے باپ کے ساتھ آزر کا ذکر کیا، تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔ (اشعۃ اللمعات، جلد 4، صفحہ 368، مطبع تیج کمار لکھنو)

اس سے جناب تارخ کا والد ہونا، آزر کا چچا ہونا، اس کو مجازاً باپ کہنا اور معترضین کے اعتراض کا جواب معلوم ہوا۔

دیوبندی مکتب فکر کے عالم دین ادریس کاندھلوی صاحب متوفی ہجری 1394، اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، اس مجاز کو متعاف کے طور پر باپ کہا گیا ہے اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے، بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء سے کفر کی نفی ہے ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لیے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی۔ تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ (التعلیق الصبیح، جلد6، صفحہ 301، مکتبہ نعمانیہ، لاہور)

کاندھلوی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس سے بھی جناب تارخ کا والد ہونا، آزر کا چچا ہونا اور باپ کہنے کی توجیح معلوم ہوئی۔

راقم الحروف کا جواب:

بندہ ناچیز کے ذہن میں جو جواب آیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام آزر کو اپنا باپ فرماتے تھے تو جب حضور آقا کریم علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے جد امجد علیہ السلام کے اس لفظ کو قائم رکھا اور باپ ہی فرمایا والد نہیں۔

اعتراض:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور شہنشاہِ حسینانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے (عرفی) باپ (یعنی چچا) سے ملاقات کریں گے اور آزر کے چہرے پر سیاہی اور گرد و غبار ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے:

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو، ان کا باپ (یعنی چچا) کہے گا پس آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے ربّ! تو نے

مجھ سے وعدہ کیا تھا تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا تو اس سے بڑھ رسوائی کیا ہو گی کہ میرا باپ (یعنی چچا) تیری رحمت سے بہت زیادہ دور ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، پھر کہا جائے گا، اے ابراہیم! آپ کے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہاں ایک ذبح شدہ جانور خون میں لتھڑا ہوا پڑا ہو گا۔ پھر اس کے پاؤں سے پکڑ کر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح بخاری رقم،الحدیث 3350)

جب ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ آزر کفر و شرک کی حالت میں مر چکا تھا اور میں نے اس کے لیے بیزاری کا اعلان کر دیا تھا اور دعا کرنا چھوڑ دیا تھا تو پھر بروز حشر آپ علیہ السلام اس کی شفاعت کیوں کریں گے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن جو ابراہیم علیہ السلام آزر کے لیے دعا کریں گے وہ دعائے شفاعت نہیں ہو گی بلکہ اس سے آزر کے سامنے عذر پیش کرنا مقصود ہو گا جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں ہے کہ ابراہیم فرمائیں گے میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کر؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ یا اللہ! اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہو گی کہ میرا چچا تیری رحمت سے دور ہے اور تو نے فرمایا تھا کہ میں تجھے رسوا نہیں کروں گا۔ اب اگر خلیل علیہ السلام اس کی شفاعت کریں اور آپ علیہ السلام کی شفاعت قبول نہ ہو تو ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی ماننی پڑے گی اور یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے اللہ کریم اپنے خلیل علیہ السلام کو رسوا کرے یعنی ان کی شفاعت قبول نہ کرے؟

لہذا ماننا پڑے گا یہ دعا خلیل صرف عذر پیش کرنے کے لیے ہو گی تو جواب میں اللہ وہی فرمائے گا کہ اس نے خلیل علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی تو اللہ کریم نے اُسے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسرا جواب:

اس کا یہ دیا گیا ہے کہ بروز قیامت ابراہیم علیہ السلام کی توجہ اس کے کفر کی طرف جائے گی ہی نہیں اور اسے چچا سمجھ کر اسے کی شفاعت فرمائیں گے اور ربّ کریم کی طرف جواب آئے گا میں نے

کافروں پر جنت حرام کر دی ہے تو آپ کی توجہ مبارک فوراً اس طرف جائے گی کہ یہ تو کفر کی حالت میں مرا تھا۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام دوبارہ دعائے شفاعت نہیں کریں گے۔

قابل غور بات:

معترضین نے اس حدیث سے ابراہیم علیہ السلام کے چچا کے آزر کے والد ہونے پر استدلال تو کر لیا لیکن اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ یہ حدیث نبی کریم علیہ السلام کی وسعت علم کی دلیل ہے کہ بروز قیامت جو ہو گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں کہ جناب خلیل علیہ السلام کی آزر سے ملاقات ہو گی اور جو بات ہو گی اس کو بیان فرما دیا، تو یہ حدیث تو نبی کریم علیہ السلام کے علم غیب کی واضح دلیل ہے۔

آخر میں ہم تکملہ کے طور پر ایک حوالہ اور پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

کہتے ہیں کہ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی یعنی بہو سارہ اور اپنے پوتے لوط بن ہاران کو لے کر بابل چلے گئے اور کنعانیوں کی زمین میں آباد ہوئے اور وہاں مقام حران میں اترے اور وہیں تارخ نے وفات پائی جبکہ ان کی عمر دو سو پچاس سال تھی۔

البدایۃ والنھایہ، جلد 1، صفحہ 178، دار الاشاعت کراچی، پاکستان

اسی طرح ابن خلدون اور طبری میں بھی ہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: ابراھیم بن تارخ

الکامل فی التاریخ، جلد 1، صفحہ 76، مکتبۃ التوفیقیہ، مصر

دیوبندی مسلک کے ترجمان میں لکھا ہے:

ابراھیم بن تارخ

ماہنامہ حق نوائے احتشام، مئی 2015، صفحہ 66، ماہنامہ حق نوائے احتشام، اپریل 2015، اندرون ٹائیٹل۔

آخر میں قارئین کی ضیافت طبع کے لیے مزید ایک دیوبندی حوالہ پیش کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ والد کا لفظ تو صرف حقیقی باپ کے لیے بولا جاتا ہے لیکن اب کا لفظ حقیقی باپ کے غیر پر بھی بولا جاتا ہے۔

جس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے جامع خیر المدارس کا ترجمان کہتا ہے کہ والد تو ایک ہی ہو گا جس کے صلب سے کسی شخص کا جنم ہوا ہو مگر (اب) باپ کئی ہو سکتے ہیں۔

والد فوت ہوا، ماں نے دوسرا نکاح کیا تو یہ نیا شخص سوتیلا باپ ہو گا سوتیلا والد کہنا غلط ہے۔ اسی طرح حدیث پاک کا مفہوم ہے سسر اور استاد بھی آدمی کا باپ ہو گا لیکن اسے "والد" نہیں کہا گیا۔ آباء کا معنی باپ، دادا، پر دادا وغیرہ ہے مگر وہ سارے والد نہ کہلائیں گے، والد صرف وہ اکیلا شخص ہی ہو گا جو اس شخص کی ولادت کا ذریعہ بنا۔ (ماہنامہ الخیر، شوال المکرم 1435، صفحہ 47، جامع خیر المدارس، ملتان۔)

اعتراض:

آپ کی بات درست، آپ کا مؤقف تسلیم لیکن اگر لفظ "اَب" کو باپ کے معنی میں ہی لیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔

جواب:

حرج اس میں یہ ہے کہ لفظ "اَب" کو والد کے معنی میں لیں گے تو قرآن کریم کی دیگر آیات کے خلاف ہو گا۔ احادیث مبارکہ جو ہم نے نقل کیں، ان کے خلاف ہو گا، طہارت نسب رسول کے خلاف ہو گا۔

نبی کریم علیہ السلام کی شان محبوبیت اور ابراہیم علیہ السلام کی شان خلیلی کے خلاف ہو گا۔ ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، آقا کریم علیہ السلام اور انبیاء کرام جو کہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، مثلاً اسحاق یعقوب، یوسف اور باقی انبیاء کرام سب کو مشرک کی اولاد ماننا پڑے گا۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بلا وجہ لفظ اَب کو اس کے معنی سے پھیرنے والی بات ہے اس کا معنی یہی ہے کہ آزر والد ہے، ایک صاحب بولے کہ جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کو مومن و موحد قرار دینے پر زور دینا شروع ہوا ہے تب سے آزر کی بجائے تارخ کو والد قرار دینا شروع ہوا ہے۔

صد افسوس کہ ایسے لوگ بھی خود کو مفسر قرآن کہلاتے ہیں، ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ سیرت کی پہلی کتاب سیرت ابن اسحاق میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ لکھا ہے۔

الغرض حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ کا ایمان اور اسلام اور ان کا نجات یافتہ ہونا تسلیم کرنا ضروری ہے اور آزر آپ کا حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا ہے اور چچے کو مجازی طور پر باپ کہنا جائز اور صحیح ہے اور آپ علیہ السلام کے والد محترم کا نام تارخ ہے۔ ہم نے دلائل قاطعہ و براہین واضحہ سے اس بات کو روز روشن کی طرح صاف اور واضح کر دیا۔

فالحمد للہ علی ذلک۔

سیرت نگاری کے معاصر رویے (علمی و تنقیدی جائزہ)

صاحبزادہ سلطان احمد علی

آج جس موضوع پہ گزارشات بیان کرنے جا رہا ہوں وہ ایک خالص علمی موضوع ہے جس کا تعلق براہ راست ہماری دینی اور ملی زندگی سے ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہماری روحیں جڑی ہیں؛ اس کی صحیح تفہیم اور ادراک کا ہونا ہماری ملت کی حیات کا ضامن ہو سکتا ہے اور ہوا بھی ہے۔ اس کے برعکس اس کی کج فہمی اور صحیح ادراک اور تفہیم نہ ہونا ہماری ملی زندگی کی تباہی کا موجب بن سکتا ہے اور بنا بھی ہے۔ اس لیے کہ وہ موضوع ہمارے ایمان کی حرارت و تپش سے جڑا ہے کیونکہ وہ موضوع ”خاتم النبیین سید المرسلین امام الانبیاء محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی (ﷺ) کی ذات گرامی، آپ (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ کی مختلف جہات اور آپ (ﷺ) کے وجود سے رونما ہونے والی اس عملی ہدایت کا وہ پیغام اور وہ اسوہ حسنہ ہے جس کو ہمارے ہاں ”سیرت النبی (ﷺ)“ کہا جاتا ہے۔

عصرِ حاضر میں مطالعۂ سیرت کی بات کی جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں سیرتِ رسول (ﷺ) کے باب میں جس سطح پر اسلامیات کے ضمن میں سیرت النبی (ﷺ) کی تعلیم دی جاتی ہے وہ ناکافی ہوتی ہے لیکن ہر مسلمان کے ایمان، اس کی سیرت اور اس کے

کردار کی تشکیل کیلئے یہ اولین ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اسے سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی سیرتِ مبارکہ سے آشنا اور آگاہ کیا جائے۔

اگر آپ ابتداً دیکھیں جب اس موضوع کی بنیاد رکھی جارہی تھی اس وقت جو آئمہ سیرت کی کتب میں آپ کو اکثر مغازی ملیں گے۔ یعنی سرکار دو عالم (ﷺ) کی حیات مبارکہ میں جو جنگیں ہوئیں وہ چاہے غزوات تھے یا سرایا۔ جن میں سرکار دو عالم (ﷺ) نے شرکت فرمائی یا اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کو بھیجا؛ اول اس چیز (یعنی مغازی) کو اس میں شامل کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کی زندگیوں میں اس موضوع کی اہمیت تو یقیناً بے تحاشہ تھی لیکن چونکہ اس کا عملی نمونہ ان کے پاس موجود تھا؛ ان کی یاداشتوں میں ان کے کردار کی صورت میں سرکار دو عالم (ﷺ) کی ذات گرامی کی سنت اور زندگی مبارک کا ایک ایک پہلو نقش تھا جس کے مطابق وہ اپنے قول و فعل اور اپنی زندگی کے فیصلے مرتب کرتے تھے۔

لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا جس طرح باقی علومِ اسلامیہ کی درجہ بندی ہوئی، ان کی تدوین ہوتی گئی اسی طرح سیرت النبی (ﷺ) کے موضوع کی بھی تدوین ہوتی گئی، علومِ اسلامیہ میں یہ ہمیشہ ایک الگ اور مستقل موضوع کے طور پہ ممتاز رہا۔ یہ بہتر سے بہتر ایک مدون صورت میں سامنے آتا گیا اور پھر ساتھ ساتھ اس کی درجہ بندی بھی ہوتی گئی۔ اگر آپ ابتداء میں دیکھیں تو حدیث رسول (ﷺ) میں تمام پہلو سموئے ہوئے تھے۔ مثلاً فقہ، تفسیر، حدیث، سیرت۔ اس وقت علم سے مراد یہی تھا کہ یہ آدمی سرکارِ دو عالم (ﷺ) کی ذات گرامی اور حدیث سے واقف ہے۔

باوجود اس کے کہ اندرونی سطح پہ اختلاف تھا لیکن فتوحات پہ فتوحات ہوتی گئیں اور سلطنت اسلامیہ مسلسل پھیلتی چلی گئی۔ ایک جزیرہ نماء عرب سے نکل کے افریقہ، یورپ، ایشیاء کوچک، وسط ایشیا، فار ایسٹ اور بلادِ ہند میں اسلام آیا، اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں اور ایک سے بڑھ کر ایک مشکلات کا سامنا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان مشکلات کے حل کے لیے اس دین و ملت میں ایسے ایسے نفوسِ قدسیہ، عالی ذہن اور عظیم دماغ پیدا کیے جنہوں نے علم کی ان مختلف برانچوں کی خدمت کی۔ شروع میں علم اپنی ایک ہی جہت میں تھا لیکن جیسے جیسے ضرورت پڑی تو پھر لوگ اس میں سپیشلائزڈ کرتے گئے۔ یعنی

فقہاء کا طبقہ، محدثین کا طبقہ، مفسرین کا طبقہ اور آئمہ کلام کا طبقہ الگ الگ نمایاں ہوتا گیا۔ اسی طرح سیرتِ رسول (ﷺ) ایک الگ سپیشلائزیشن کا موضوع بن گیا۔ جیسے ان تمام علوم میں ایک تنوع آگیا تو یہ اپنی اپنی ڈائریکشن میں سپیشلائزڈ سبجکٹ بنتے چلے گئے اسی طرح سیرت النبی (ﷺ) میں بھی صرف غزوات اور سرایا نہ رہے بلکہ سرکار دو عالم (ﷺ) کی بعثت سے لے کے حضور (ﷺ) کے وصال تک تمام چیزیں سیرت میں شامل ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد یہ سلسلہ سرکار دو عالم (ﷺ) کی بعثت سے بھی قبل آپ کی ولادت تک جا پہنچا۔ پھر اس پہ جب آئمہ کرام نے حدیث مبارکہ، عربوں کی روایات، خاندانِ بنوہاشم کی تاریخ، عرب قبائل کی تاریخ، دیگر جتنے بھی مذاہب تھے مثلاً نصاریٰ، یہود، مجوس، ہنود؛ ان کی کتب میں جیسے جیسے عرق ریزی کی اور خاتم الانبیا(ﷺ) کی ذات مبارکہ سے متعلق بشارات کو نمایاں کیا، کتب مرتب کیں تو جہاں دیگر مذاہب کے لوگوں نے اس بنیاد پہ آپ (ﷺ) پر ایمان لانا شروع کیا وہیں قبل از اسلام موجود مذاہب کی کتب میں آمدِ مصطفےٰ (ﷺ) کا تذکرہ بھی سیرت کا مستقل موضوع بن گیا۔

یہ موضوع سرکارِ دوعالم (ﷺ) کی ولادت تک محدود نہ رہا بلکہ سرکاردوعالم (ﷺ) کی ولادت سے قبل دیگر ادیان کا مطالعہ بھی سیرت کا حصہ بنتا چلا گیا۔ یوں سرکار دوعالم (ﷺ) کے جلوہ افروز ہونے کے ہزاروں برس قبل تک جتنی انسانی تاریخ پھیلی تھی سیرت کا مطالعہ ان سب تک محیط ہو گیا۔ اس پر آئمہ سیرت نے ایسی لازوال خدمات سرانجام دیں کہ آج چودہ صدیاں بیتنے کے باوجود بھی شمعِ تعلقِ مصطفےٰ (ﷺ) ہر سینۂ مومن میں فروزاں ہے۔ سیرت کی ابتدائی کتب میں دو چار کتب مشہورِ عام ہو گئیں مثلاً 'طبقات ابن سعد'، 'سیرت ابن ہشام'۔ لیکن تقریباً اس کے بعد اسلام میں اور اسلام کے نام لیواؤں میں یہ ایک ایسا موضوع تھا جس سے دور رہنا ایک صاحب ایمان کے لیے ممکن نہ تھا۔

پھر تاریخ وقت کے دھارے میں بہتی رہی، پھر فتنے پھوٹے مثلاً معتزلہ کا فتنہ، خوارج کا فتنہ، اس کے بعد عقائد باطلہ مختلف صورتوں میں اہلِ اسلام میں ابھرتے ڈوبتے رہے، مسلمانوں میں فکر یونان سے کی ”تقلیدِ کورانہ“ کا فتنہ اور دیگر — ان فتنوں کی سرکوبی کیلئے جہاں دیگر علوم وفنون مسلمانوں کیلئے تیغ وسنانِ علمی کی حیثیت رکھتے تھے وہیں سیرتِ رسول (ﷺ) بھی وہ بنیادی موضوع تھا جس سے ہمیشہ آئمہ

کرام نے حق و باطل کا فرق پہچاننے کیلئے استفادہ کیا اور اس سے امت کو رہنمائی دیتے رہے۔ اس کے بعد سیرت میں الگ الگ منہج بنتے گئے، حضور کریم (ﷺ) کے فضائلِ روحانیہ پہ، شمائلِ مبارکہ اور معمولاتِ دُنیوی کی روایات و تشریحات پہ مختلف نکتہ ہائے نظر تشکیل پاتے چلے گئے جن کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ (to cut a long story short) تو قارئین کی توجہ اس جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ اٹھارویں صدی کے وسط سے نو آبادیات کا آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ دنیائے اسلام مغرب کے نرغے میں آ گئی۔ ہماری بڑی بڑی سلطنتیں تاخت و تاراج ہوئیں اور مختلف مغربی طاقتوں؛ کہیں فرانس نے، کہیں پرتگال نے، کہیں ہالینڈ نے، کہیں برطانیہ نے، کہیں اٹلی نے اپنا اپنا قبضہ جمایا اور نہ صرف یہ کہ ہم سیاسی طور پہ ان کی کالونی بن گئے بلکہ علمی اور فکری طور پہ بھی مغلوب و مفتوح ہوتے گئے۔ انہوں نے اپنے طاغوتی عزائم کے پیش نظر اسلام اور اسلامی فکر کے مختلف پہلوؤں پر اپنے سامراجی عزائم کی خاطر تحقیق کرنا اور تشریح کرنا شروع کیا۔ جس میں انہوں نے سب سے بڑا حملہ خاتم الانبیاء (ﷺ) کی ذات گرامی اور سیرتِ طیبہ پر کیا۔

ہند و پاک میں بھی اکثر و بیشتر برطانوی اہلکار (کیپٹن، کرنل، لارڈز، گورنر جنرلز، صوبوں کے گورنرز بھی) سیرت کے موضوع پہ متنازع و متعصبانہ اپروچ کے ساتھ کتب و رسائل لکھتے رہے۔ نہ صرف یہ کہ خود لکھتے رہے بلکہ پاک و ہند میں بسنے والے دیگر مذاہب کے متعصب و متشدد لوگوں کو بھی ریاستی وسائل و تحفظ فراہم کر کے پیغمبرِ اسلام (ﷺ) کے خلاف لکھواتے رہے۔ یہ اختلاف اپنی جگہ مگر اس کے متضاد بعض مغربی اہلِ قلم نے مثبت رویے سے بھی سیرت نگاری کی ہے، ان کو ’’ڈس کریڈٹ‘‘ نہیں کیا جانا چاہئے۔ اس سے اگلی بات بھی ضرور ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ انہیں ’’ڈس کریڈٹ‘‘ نہ کرنے کا اور ان کی کاوشوں کو ’’ایڈمائر‘‘ کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جانا چاہئے کہ انہوں نے کلیتاً عیسوی روایتِ سیرت نگاری سے آزاد ہو کر لکھا ہے۔ نہیں! انہوں نے توصیفی کام بھی اپنی عیسوی مغربی روایتِ علمی کے تحت ہی کیا ہے۔

ہمارے ہاں یہ بڑا امتیاز اور شرف سمجھا جاتا تھا بلکہ اب زیادہ سمجھا جاتا ہے کہ پڑھا لکھا وہ شخص ہے جس کی ڈگری کے اوپر مغرب کے کسی ادارے کی سٹیمپ لگی ہو اور المیہ یہ ہے کہ اگر یہ سٹیمپ نہ ہو تو سمجھا جاتا

ہے کہ یہ زیادہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ یہاں ایک ستم ظریفی کا ذکر کرتا چلوں کہ مجھے یاد ہے کہ پانچویں چھٹی جماعت میں علامہ اقبال اور قائد اعظمؒ کے متعلق ہمیں جتنے مضامین پڑھائے جاتے تھے ان میں یہی رٹا لگایا جاتا تھا کہ "وہ گورنمنٹ کالج یا سندھ مدرسۃ الاسلام سے فراغت کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان چلے گئے"۔ یعنی ہمارے دل و دماغ پر یہ چھاپ بٹھائی گئی کہ اعلیٰ تعلیم وہی کہلائے گی جو آپ مغرب سے حاصل کر کے آئیں گے۔

اب یہاں پہ بڑے پیچیدہ سوالات پیدا ہو جاتے ہیں اس مختصر تاریخ کے پیرائے میں جو نا چیز نے آپ کے سامنے دہرائی۔ بڑی اہم بات یہ ہے کہ مغربی سامراجوں کے ہاتھ ہمارا پولیٹیکل سسٹم تو آ ہی گیا تھا، ان کے ہاتھ ہماری سوچنے کی روِش بھی آ گئی کہ مسلمان کے سوچنے کا زاویہ کیا ہے؟ اور ان کی سوچ کا محور و مرکز کیا ہے۔ انہوں نے یہ محسوس اور معلوم کر لیا کہ مسلمان کے سوچنے، بولنے اور کام کرنے کا محور و مرکز اس کے نبی (ﷺ) کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ مسلمان شاید کسی بھی چیز پہ دانستہ یا نادانستہ سمجھوتا کر جائے مثلاً ضمیر، قبیلہ، سلطنت، کھیت، پانی، ہتھیار، افواج وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر کسی بات پہ مسلمان کا ضمیر نہیں خریدا جا سکتا تو وہ اس کے محبوب کریم (ﷺ) کی محبت، حرمت اور ناموس ہے۔ یعنی ان کے ہاتھ ایک رگ آ گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ بھی اب ہماری سامراجیت سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس کے بعد یہ بھی بتانا چاہوں گا کہ پھر انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ کیسے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے افکار کو گرفتار کیا جا سکتا ہے؟ جس وقت ہمارے ہاں پرنٹنگ پریس اور چھاپہ خانوں کی مخالفت کی جا رہی تھی اور قلمی نسخے لکھ کر کتابوں کی ترویج یا کتابوں کی حفاظت کا جو پرانا طریق تھا اسی پہ ہمارے علماء اسلام نے اسرار کیا جو کہ ہمارے لئے جمود کی کیفیت تھی جبکہ ان کے ہاں اس نئی ٹیکنالوجی کے ذریعے انہوں دھڑا دھڑ اپنے افکار کتب کی صورت میں پوری دنیا میں ایکسپورٹ کیے جو کہ اُن کے اقتدار کی وجہ سے ہمارے ہاں بھی پہنچے، محض پہنچے ہی کیا بلکہ سرایت کر گئے۔

ہمارے نام نہاد پڑھے لکھے طبقہ کے پاس سیرت النبی (ﷺ) کا وہ مواد موجود تھا جس کو مستشرقین نے تشکیل دیا تھا۔ اسی طرح آج بھی ہمارے ہاں جو ایک نام نہاد پڑھا لکھا طبقہ کہلاتا ہے اگر ان کی

لائبریروں میں آپ کو سیرت کی کوئی کتب ملیں گی تو وہ مغربی مصنفین ہی کی لکھی ہوئی ہونگی، ہمارے ہاں کے پڑھے لکھوں میں انہی کتب کو بنیادی حوالہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

مغربی عیسوی علمی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے مستشرقین نے کئی مسائل کو بہانہ بنا کر ایک بنیادی بات چھیڑ دی کہ اسلام ایک طرز حیات ضرور ہے مگر اس کی فکر کی لپیٹ زیادہ تر انسانوں کو ان کے معاشرت، سماج اور سیاست پر مشتمل ہے۔ اس مادی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کے انہوں نے سرکار دو عالم (ﷺ) کے باطنی فضائل و کمالات جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے آپ (ﷺ) کو عطا ہوئے، ان کا انکار کرنا شروع کیا جس سے مغرب مرعوب مسلمانوں میں بھی یہ روایت پختہ ہوئی کہ نبی کو ماننا ہے تو اس کیلیے نبی کی ظاہری، سماجی، سیاسی معاشرتی زندگی کافی ہے؛ نبی کے باطنی فضائل و کمالات اور معجزات کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے، اِس پہ علمی بہانہ یہ بنایا کہ ایسی چیزیں عقل کے احاطہ سے باہر ہیں لہٰذا انہیں ماننا نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ واقعتاً ایک غیر ضروری سا کام ہے (استغفر اللہ، نعوذ باللہ)۔

عیسوی روایت کے مستشرقین کو بغور پڑھ لیں، اگر وہ عیسائیت کی بات کریں گے تو کہیں بھی سیدہ مریم (علیہا السلام) اور سیدنا عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کے فضائل و معجزات یا ان سے ما قبل انبیاء (علیہم السلام) کے بیان کئے جانے والے معجزات و کمالات کا انکار نہیں کریں گے لیکن جب بات پیغمبرِ آخر الزماں (ﷺ) کی آئے گی تو پھر فضائل و معجزات سے انکار کی بیسیوں تاویلیں تراش لی جائیں گی۔ یہ فکر کا ایسا فالج ہے جو فقط مستشرقین کی کتب تک محدود رہنے والے پڑھے لکھوں کے ذہن کو اپاہج بنا کے چھوڑتا ہے۔

افسوس ایسی جہالت پہ جو علم کے نام پہ کمائی جائے اور حیف ایسی غفلت پہ جو باخبری کے نام پہ کمائی جائے۔

اسی بنیاد پر مسلمانوں کے اندر کئی فرقے کھڑے کیے گئے جس کا ایک پورا اکیڈیمک ریفرنس موجود ہے۔ وقت کے دامن میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ یہاں اس پر تفصیلی بحث کی جائے لیکن قارئین کی توجہ اس جانب دلانا چاہتا ہوں کہ دین کو محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ یہ بھی دین کی محدودیت ہی کے مترادف ہے کہ خاتم النبیین (ﷺ) کی ذات گرامی کے ساتھ میرا تعلق میرے بدن اور میری عقل

سے بعد میں میری روح سے اولاً شروع ہوتا ہے؛ اس تعلق کو گھٹاتے گھٹاتے میرے لیے اس کو صرف بدن تک لا کے محدود کر دیا جائے۔ کیونکہ روحِ ایمان سرکار دوعالم (ﷺ) سے مسلمان کا روحانی اور باطنی تعلق ہے جسے کوئی متزلزل نہیں کر سکتا۔ اس لیے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان کو زیر وزبر تو کیا جا سکتا ہے لیکن مسلمان کو زیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا وجود اندر سے تپش آموز ہوتا ہے اور وہ تپش اسے محبت مصطفٰے (ﷺ) کی برکت سے ملتی ہے۔

جہاں تک اسلام کے سیاسی اور سماجی شعور کی بات ہے کوئی اس سے ہرگز یہ مراد نہ لے کہ مَیں اس کی نفی کر رہا ہوں اور نہ ہی اس کی نفی کی قطعاً کوئی گنجائش ہے۔ اس لئے جو سیرت کا معاشرتی مطالعہ ہے اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسلامی معاشرت کہلاتی ہی وہ ہے جو سیرت النبی (ﷺ) سے اخذ کردہ ہو۔ اس کے علاوہ سیاست کے جو اسلامی اصول ہیں ریاست کیا ہے؟ ریاست کے اداروں کے حقوق کی تشکیل کیسے ہو گی؟ عوام اور خواص کی رائے کہاں تک قبول کی جائے گی؟ امراء، سالار اور عادل کے کیا کیا مناصب و فرائض ہونگے جنگ کے کیا کیا قوائد ہونگے؟ سلطنت کی سرحدوں کا کیسے کیسے معاملہ طے کیا جائے گا؟ مسلمان اور غیر مسلم کے کیا کیا حقوق ہونگے؟ کس مجرم کو کس حد تک کتنی سزادی جائے گی؟ کس مسئلے پہ کتنی شدت اور کتنی نرمی اختیار کی جائے گی؟ یہ سارا کچھ اگر اسلام کے سیاسی اصولوں میں طے ہے تو یہ سب کچھ سیرت النبی (ﷺ) سے اخذ ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلامی معیشیت کے تمام بُنیادی اصول سیرتِ رسول (ﷺ) سے اخذ ہوتے ہیں۔ وہ چاہے فقہ شافعی میں ہوں، حنبلی میں ہوں حنفی میں ہوں یا مالکی میں؛ جتنے بھی بُنیادی اصول ہیں وہ سارے کے سارے حدیثِ مصطفٰے اور سیرت النبی (ﷺ) سے ملیں گے۔ اسلام کی معاشیات، معاشرت اور نظامِ سیاست کا کسی صورت انکار ممکن ہی نہیں ہے جو انکار کرتا ہے اس کو اسلام کی روح کا علم ہی نہیں ہے کہ اسلام کیا ہے؟

اسلام اپنی بنیاد میں ہی غلبہ کا اشارہ رکھتا ہے حتیٰ کہ اس وقت بھی جب مادی و دنیاوی اعتبار سے اس کے پاس چاہے کچھ بھی نہ ہو یہ اس وقت بھی قوت و شوکت، جلال و سطوت اور غلبہ و فتح پہ رغبت دیتا ہے:

”هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ“[1]

"وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کر دے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں"۔

یہ نظریہ اس دین کے اور نبی آخر الزماں (ﷺ) کے بعثت مبارک کے اولین مقاصد میں سے ہے۔ جس وقت سرکار دو عالم (ﷺ) مکہ میں تھے اور آپ نے ابھی اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا تو صرف چند لوگ تھے جو اسلام کے نام لیوا تھے جن میں کچھ عورتیں، چند غلام، تھوڑے سے نوجوان۔ ان لوگوں میں بھی گنے چنے بااختیار لوگ تھے وگرنہ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن کی عرب کلچر میں، وہاں کے سرداروں اور قبائلی نظام کے رہنے والے لوگوں میں زیادہ شہرت نہیں تھی۔ وہ بہت کم تعداد میں تھے اور مکہ سے باہر بھی پوری طرح اسلام کا تعارف نہیں پھیلا تھا۔ لیکن جب اسلام کی فکر پھیلنا شروع ہوئی تو سردرانِ مکہ کو اپنی سرداری اپنے ہاتھوں سے جاتی ہوئی نظر آئی، وہ بھانپ گئے کہ یہ صرف عقیدے، کلمے، توحید یا رسالت کی بات نہیں ہے بلکہ اس کا پھیلاؤ کہیں زیادہ ہے۔ پھر وہ سرداران سرکار دو عالم (ﷺ) کے چچا حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ اپنی اس دعوت کو ترک کر دیں۔ اس روایت کو امام ابن ہشام نے اپنی سیرت میں بیان کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ جب آپ (ﷺ) کے چچا نے جا کر آپ (ﷺ) سے یہ بات کی کہ قریش کہتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں ہم سے لے لیں لیکن جو دعوت آپ پھیلا رہے ہیں اس کو روک دیں۔ اس روایت کے راوی سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم (ﷺ) نے اپنے چچا کو فرمایا:

"نَعَمْ، كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تُعْطُونِيهَا تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ، وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ"[2]

"(مجھے ان سے اور کچھ نہیں چاہئے البتہ) مَیں ان سے وہ ایک کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے کہنے کے بعد سارا عرب ان کے سامنے جھک جائے گا اور اس کی وجہ سے اہل عجم بھی انہیں جزیہ بھیجا کریں گے"۔

یعنی ایک کلمہ ہے اگر تم اس کا اقرار و اعتراف کر لو تو اس کے بدلے میں تمہیں عرب و عجم عطا کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد ابو جہل نے کہا کہ ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمے کہنے کو تیار ہیں:

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا نے پوچھا وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ"۔

جب سرکار نے یہ کلمہ پڑھا تو انہوں نے کہا اسی اصول سے تو ہمارا اختلاف ہے۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ عرب و عجم کی حکمرانی کی گفتگو اُس وقت ہو رہی ہے جب اسلام مکہ سے باہر نکلا ہی نہ تھا جب چند خواتین، غلاموں، جوانوں اور ایک دو بااثر لوگوں کے علاوہ حلقہ بگوش اسلام عرب ہوئے ہی نہیں تھے۔ سیاسی و سماجی طور پہ ادبی اعتبار سے بھی اسلام ابھی اپنی قوت اور شوکت میں نہ آیا تھا اس وقت بھی سرکار دو عالَم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں فرمایا کہ جو کلمہ مَیں کہ رہا ہوں یہ کلمہ تمہیں عرب و عجم کا سردار بنادے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلبے کی خواہش اور صورت "لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہتے ہی وجود میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر مسلمان مغلوب ہو کر نہیں رہ سکتا تو صرف اور صرف اسی کلمے کی بدولت۔ بے شک ہماری ایلیٹ اشرافیہ بک جائے مغرب کے ہاتھوں، بے شک ہماری اشرافیہ اسلامی طرزِ حیات کی بجائے مغربی طرزِ حیات کا سودا کر لے مگر ایک عام مسلمان جس کے ضمیر میں "لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تاثیر ہوتی ہے وہ اپنے سر کی قیمت پر بھی کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ بزبانِ حکیم الامت وہ کہتا ہے کہ:

پشتِ پا زن تختِ کیکاؤس را

سر بدہ! از کف مدہ ناموس را

"تختِ کیکاؤس کو ٹھوکر مار، جان دے دے مگر ناموس ہاتھ سے نہ دے"۔

یعنی مسلمان کی ناموس "لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ" میں ہے۔ اس لئے دین کا جو سیاسی غلبہ، معاشی و سماجی نظام ہے اُس سے کسی بھی صورت انکار ممکن ہی نہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں نکالا جا سکتا کہ عقلی معیار پہ سیرتِ طیبہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا صرف یہی پہلو پورا اترتا ہے اور باقی پہلوؤں کو متروک کر دیا جائے، معاصر سیرت نگاروں کا یہ رویہ کہ اس ایک جہت کو اتنا غالب کر کے بیان کیا جائے کہ سیرتِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دیگر جہات (بالخصوص حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزات، فضائل و کمالاتِ روحانی) کے فیضان سے جوانانِ اُمت محروم ہو جائیں، یہ بھی کسی طور مناسب نہیں۔ فی زمانہ سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موضوع میں مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ ہماری اکثر تحریکیں

جن کو ہم عرب دنیا میں، ہند میں، عجم و فارس میں اور دیگر کئی جگہ پر دیکھتے ہیں، ان کا مطالعہ کرتے ہیں، ان سے بات چیت کرتے ہیں تو ان کی ساری کی ساری توجہ دین کی سیاسی ہیئت کے اوپر ہے، گو کہ اِس سے انکار ممکن نہیں ہے لیکن عشقِ مصطفیٰ (ﷺ) کی روحانی جہت جو کہ روحِ دین و ایمان ہے اس کے بارے میں یہ ڈھکوسلا (False excuse) بتایا جاتا ہے کہ جدید ذہن اس کو تسلیم کرنے پہ تیار نہیں ہے۔

یاد رکھیں! معجزات و فضائلِ نبی (ﷺ) کا انکار تاریخی طور پہ دو گمراہ فرقوں معتزلہ اور خوارج نے کیا۔ اس کے بعد جتنے بھی ایسے لوگ آئے ہیں جو معجزاتِ رسول (ﷺ) یا کمالاتِ فضائل و شمائلِ مصطفیٰ (ﷺ) کا انکار کرتے ہیں وہ یا تو معتزلی سوچ سے متاثر تھے یا خوارج کے استدلال سے۔ ورنہ جن کے سینے دولتِ ایمان سے منور تھے انہیں سرکارِ دو عالم (ﷺ) کے شرفِ باطنی و روحانی پہ ایک لمحہ اور ایک لحظہ کیلئے بھی کبھی وسوسہ پیدا نہیں ہوا۔ اس لیے سیرت النبی (ﷺ) میں بعض ایسے پیچیدہ مسائل ہیں جن کو بیان کیا جاتا ہے تو انسان دیکھتا ہے کیا میرے ایمان کے لیے یہ ایک محفوظ و مضبوط منہج ہے؟

اُردو زبان میں سیرت کی ایک مشہور کتاب ہے جس کے عموماً ایکڈیمک ریفرنس دیئے جاتے ہیں اس میں جہاں مدینہ کی سرداری کا مسئلہ بیان ہوا کہ سرکار دو عالم (ﷺ) کو مدینہ کا سردار کیوں بنایا گیا؟ تو چونکہ سیرت نگار اور شارح کی ساری توجہ اسی پہ تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کی فقط سیاسی جہت کو اجاگر کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ اوس خزرج میں جھگڑے تھے، صلح کا کوئی امکان نہ تھا، مدینہ کی شہری ریاست کو یکجا کرنے کا کوئی طریق نظر نہ آتا تھا تو اس کے لیے اہل مدینہ کو ایسے اجنبی سردار کی ضرورت تھی جو دونوں کے لیے قابل قبول ہو۔ یہ لفظ کہ سرکار دو عالم (ﷺ) کے سردارِ مدینہ بن جانے کی ایک وجہ سرکار (ﷺ) کی اجنبیت تھی۔ (معاذاللہ! استغفر اللہ!)۔ بندہ ناچیز اس استدلال سے مؤدبانہ اختلاف کرتے ہوئے کہنا چاہتا ہے کہ اہل مدینہ کے دل سے پوچھو کہ کیا انہوں نے ایک ”اجنبی“ کو اپنا سردار قبول کیا یا اُس کو جس کے انتظار میں وہ صدیوں سے اپنے آباؤ اجداد کے خطوط لے کے بیٹھے تھے اور نسل در نسل یہ نصیحتیں کرتے آئے تھے کہ انتظار میں رہنا نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء (ﷺ) کا مقام

ہجرت کا ظہور اسی سرزمین پہ ہو گا۔ لہٰذا بھلے آفتیں، مصیبتیں، بیماریاں اور تکلیفیں آئیں اس بستی کو چھوڑ کر نہ جانا۔ انہوں نے ولادت و بعثتِ مصطفیٰ (ﷺ) سے صدیوں قبل یہ خطوط لکھے کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں، اگر ہم گزر جائیں تو ہماری نسلیں آپ (ﷺ) کے انتظار میں بیٹھیں گی اور یارسول اللہ (ﷺ) ہم آپ پہ ایمان لائے، اگر آپ (ﷺ) ہمارے ہوتے ہوئے آئے تو ہم آپ (ﷺ) کے معاون ہونگے لیکن اگر آپ (ﷺ) ہمارے گزر جانے کے بعد آئیں تو آپ (ﷺ) ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرما دیجیے گا۔ اہلِ مدینہ تو صدیوں سے خاتم الانبیاء (ﷺ) کو دوعالَم کا سردار مان کر بیٹھے تھے۔ اجنبیّت کس بات کی؟

کتابِ مذکورہ میں گو کہ اس کے آگے پیچھے کئی بار ذکر ہوا کہ عبد اللہ بن اُبی کی سرداری کے لیے سنار کو تاج بنانے کا حکم ہو چکا تھا۔ آپ کبھی عبد اللہ بن اُبی منافق کا الگ سے مطالعہ کریں کہ سرکار دو عالم (ﷺ) سے اس کی منافقت کے اسباب کیا تھے؟ اس کی منافقت کے اسباب ہی یہ تھے کہ وہ سردار بننے والا تھا، کئی قبائل اس کی سرداری کو قبول کر چکے تھے اور درمیان میں اسلام کا پیغام آن پہنچا اور اہل مدینہ کو تصدیق ہو گئی کہ جس کے انتظار میں یثرب کی بستی آباد کئے بیٹھے تھے وہ ہجرت کر کے جلوہ فرما ہونے والا ہے۔ تو کہاں گیا ابن اُبی کا تاج اور کہاں گئی اس کی تاجوری۔

اس لیے میرے بھائیو اور ساتھیو! یہ جو اسلام اور سیرتِ رسول (ﷺ) کی سیاسی تشریح اور سیاسی تناظر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خاتم الانبیاء (ﷺ) کی ذاتِ گرامی کو اُمّت کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے گویا امت سے ان (ﷺ) کا تعلق اور اُن (ﷺ) سے امت کا تعلق ایک سیاسی قائد اور ایک سیاسی کارکن کے طور پر ہو۔ امت کو یہ ضرور بتایا جائے کہ آپ (ﷺ) ہی دُنیاوی معاملات میں، معیشت و معاشرت اور عدالت و سیاست میں ہمارے رہبر و رہنما اور ”آئیڈیل“ ہیں اور ہم ان کے نظریے کے امین ہیں۔ لیکن اپنے نبی (ﷺ) کے ساتھ میرا صرف یہی تعلق نہیں ہے بلکہ میرا اپنے نبی کے ساتھ تعلق شفاعت، آخرت، ایمان اور عشق و روحانیت کا بھی ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) جلیل القدر صحابی ہیں جو کہ یہود کے نامور علما میں شمار ہوتے تھے یہود میں ان کی بڑی منزلت تھی۔ ان کے ایمان لانے کی جو حدیث پاک بیان کی جاتی ہے اسلام کی محض

سیاسی ترکیب کے قائلین اور عمرانیات مذہب کی مہارت کے دعویدار عموماً اُس حدیث کا دوسرا حصہ بیان کرتے ہیں، دانستہ یا نادانستہ وہ پہلا حصہ بیان نہیں کرتے جو عام طور پہ بیان کیا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) بھی اسلام کے اسی سیاسی نقطۂ نظر سے متاثر ہوئے کہ جب انہوں نے حضور نبی پاک (ﷺ) کا کلام سنا:

"یا أیها الناس أطعموا الطعام، وأفشوا السلام وصلوا الأرحام وصلوا والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام"

"بھوکے کو کھانا کھلاؤ، سلام میں پہل کرو، خونی رشتوں کو جوڑے رکھو، نماز پڑھو جب لوگ سورہے ہوں اور جنت میں داخل ہو سلام کے ساتھ"۔

یہ حصہ تو بلا شک و لاریب طور پہ افصح الفصحا (ﷺ) کے کلامِ نبوت کی دلیل اور آفاقیتِ اسلام کا اعلان و اعلام ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی ایک بات سیدنا عبد اللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) نے بیان کی ہے، جسے عمرانی و سیاسی تعبیر کے ماہرین عموماً بیان نہیں کرتے؛ فرماتے ہیں کہ جب شور اٹھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کا نبی آرہا ہے لوگ جمع ہو رہے تھے تو مَیں بھی دیکھنے گیا کہ مسلمانوں کا نبی کیسا ہے؟ میں نے ان سے کلام نہیں کیا، ابھی ان کی مجلس میں نہیں بیٹھے لیکن مَیں نے دور سے آپ (ﷺ) کے چہرہ مبارک کی زیارت کی اور جب میں نے چہرہ دیکھا تو سرکار علیہ السلام کا چہرہ دیکھتے ہی میرے دل نے گواہی دی کہ یہ چہرہ کسی نبی کا چہرہ ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جہاں خصائل مصطفٰے (ﷺ) کی اہمیت ہے وہاں شمائل مصطفٰے (ﷺ) کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ چیز جس نے ابن سلام جیسے باوقار سردار اور مستند عالم کو کلام و گفتگو سے بھی پہلے متاثر کیا وہ رسول اللہ (ﷺ) کا چہرہ مبارک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور (ﷺ) کے وجود کو جو وسعت و زیبائی عطا کی، جو اعجاز و کمال عطا کیا اس کا انکار کسی صورت بھی مسلمان سے ممکن نہیں ہے۔

سیرت النبی (ﷺ) کے بارے اِس طرح کی مادہ پرستانہ سوچ ہمارے مسائل کا حل نہیں ہو سکتی بلکہ کئی مسائل کو بگاڑتی ہے۔ سامراجی طاقتوں کو موقعہ فراہم کرتی ہے کہ ہماری روحانی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر ہم پہ اندر سے وار کر سکیں۔ کہنے میں یہ بات ذرا مشکل ہے اور شاید زیادہ سخت بھی لیکن بہت حد تک درست بھی ہے کہ معاصر سیرت نگاری بالخصوص جو مستشرقین کی تقلید میں کی جارہی ہے یا ان کے

ہاں اپنی پہچان بنانے کیلئے کی جا رہی ہے یہ کسی بھی طور اِس عظیم اور لطیف موضوع سے انصاف نہیں ہے۔ یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ سیرت جیسے عظیم المرتب اور حساس موضوع پہ ایسی مادہ پرستانہ اپروچ اور سوچ علی المرتضیٰ اور حسّان بن ثابت (رضی اللہ عنہما) کی میراث نہیں بلکہ ذولخویصرہ اور واصل بن عطا کی میراث ہے۔ اِس مقام پہ اقبال کی سمجھ آتی ہے کہ وہ دانشِ فرنگ کو تقلیدِ کورانہ سے اجتناب پہ کیوں راغب کرتا ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہِ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

سیرت النبی (ﷺ) کے بارے میں جو ہماری مادہ پرستانا اپروچ ہے یہ ہم نے کہاں سے درآمد کی؟ پچھلے دنوں اسرائیل کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ پہ سیرت النبی (ﷺ) کے مختلف پہلوؤں کی روشنی میں پارلیمنٹ کے حکومتی بنچوں سے ایک خاتون کا بیان سوشل میڈیا پہ چلتا رہا [3]۔ عزیزانِ گرامی! انہوں نے جتنے بھی مسائل سیرت النبی (ﷺ) کے متعلق ڈسکس کیے فی الاصل وہ سیاق و سباق سے ہٹ کر ہیں مگر وہ بعض مستشرقین کی کتب میں اسی طرح لکھے ہوئے ہیں جیسے انہوں نے بیان کیے۔ آپ خود بتائیں کہ جب اپنے نبی (ﷺ) کی ذات گرامی کے متعلق آپ کے علم کا مآخذ مستشرقین کی کتب ہوں گی تو آپ ایمان کی کونسی رمق اور رونق وہاں سے حاصل کریں گے؟

مثلاً مغرب کے مشہور سیرت نگار ولیم مونٹگمری واٹ کے دو تھیم ہیں "Muhammad at Mecca" اور "Muhammad at Medina"۔ آپ کو اکثر سیرت نگاروں کے ہاں ولیم مونٹگمری واٹ کا حوالہ ضرور ملے گا۔ اِس سارے تھیم کی بُنیاد یہ جملہ ہے جو ہزار مرتبہ استغفار پڑھتے ہوئے آپ سے شیئر کرتا ہوں:

"Muhammad failed in Mecca as a Prophet but succeeded in Medina as stateman"

ہمارا نام نہاد پڑھا لکھا مادہ پرست و مغرب پرست کنفیوژ طبقہ جو ایسی کتب کو اپنے مطالعۂ سیرت اور فہمِ سیرت کی بُنیاد بناتا ہے اُن کے سیرت پاک سے متعلق کسی بھی قول یا استدلال کا بھلا کیونکر اعتبار کیا جا

سکتا ہے؟ روح کانپ جاتی ہے کہ آج ایمان اس درجہ آن پہنچا ہے کہ انہوں نے ہمارے مغرب زدگان میں یہ تقسیم پیدا کر دی کہ نبی پاک (ﷺ) مکہ میں پیغمبر تھے اور مدینہ میں سیاسی لیڈر۔ یہ درست ہے کہ کئی مستشرقین نے سرکار دو عالم (ﷺ) کے والد، شوہر، سالار و کمانڈر، منصف، عادل، قاضی، قبائلی و ریاستی سربراہ ہونے کی حیثیت کو بہت خوب سراہا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ سارا کچھ ہم ایک سیاسی لیڈر کے طور پر قبول کرتے ہیں جبکہ اصل میں وہ نبوتِ مصطفیٰ (ﷺ) کا انکار کرتے ہیں۔

ایک دوسری مشہور کتاب سے مثال لیجئے جس کا ہمارے ہاں بھی چرچا رہا اور اس کو دنیا میں پڑھا بھی بہت گیا جس میں پروفیسر مائیکل ہارٹ نے ایک سو "با اثر" آدمیوں (جبکہ تاجرانِ کتبِ اُردو کے بقول ایک سو "عظیم" آدمیوں) کی فہرست مہیا کی ہے:

"The 100: A Ranking of the Most Influential Persons in History."

اس میں تاریخِ انسانی کی ایک سو سب سے با اثر شخصیات میں انہوں سب سے اوپر سرکار دو عالم (ﷺ) کا اسم گرامی لکھا۔ اِدھر ہمارے اُردو تاجرانِ کتب نے کٹ وٹ کر کے اس کتاب کے اردو ترجمے چھاپ مارے اور ٹائٹل میں یہ دکھایا کہ حضور (ﷺ) کا اسم گرامی سب سے اوپر ہے جس کی بنیاد پر ہر مسلمان اس کو اس عقیدت اور پیار سے "خرید" رہا ہے کہ میرے نبی کو غیر مسلم بھی مانتے ہیں کہ نبی جیسا انسان کائنات میں نہیں آیا۔

مسلمان اسی پر خوش ہو گئے کہ حضور (ﷺ) کا نام انہوں نے سب سے اوپر لکھا ہے۔ خدا کے بندو! کیا آپ نے اس کتاب کا مقدمہ بھی پڑھا ہے؟ مقدمے کے علاوہ جو وضاحتیں پروفیسر مائیکل ہارٹ نے لوکل ویسٹرن آڈئینس کی تشفی کیلئے لکھی ہیں وہ آپ کو کیوں نظر نہیں آتیں؟ مصنف نے وضاحت کے ساتھ کہہ رکھا ہے کہ یہ با اثر شخصیات کی فہرست ہے عظیم لوگوں کی فہرست نہیں، مصنف کا مؤقف ہے کہ وہ حضور اکرم (ﷺ) کو تاریخِ انسانی کا "با اثر" آدمی مانتا ہے "عظیم" نہیں مانتا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جوشیلے جذباتی مسلمانوں کو ساحرانِ فرنگ کے پینترے کون سمجھائے؟

ان امثال اور استدلال کا مقصد یہ ہے کہ اگر فقط ظاہری رہن سہن اور فقط سیاسی زندگی کے مطالعے سے سرکار دو عالم (ﷺ) کی ذات گرامی پر ایمان کامل ہو سکتا تو بہت سے مستشرقین دولتِ ایمان سے محروم

نہ رِہ جاتے۔ کتنے ایسے مستشرقین سیرت نگار زندہ ہیں اور ان میں کئی گزر گئے جن کا بڑا عمدہ کام آپ کو سیرت میں نظر آئے گا لیکن زندگی میں اور وقتِ نزع ان کو کلمہ ٔحق کی گواہی نصیب نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک اس مسئلہ پہ صوفیہ کا وہی استدلال منطبق ہو گا جو انہوں نے آدم علیہ السلام کے سجدہ سے متعلق جبریل وابلیس کے نقطہ ٔنگاہ کا فرق بیان کرتے ہوئے قائم کیا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک ابلیس کے سجدہ ریز نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اُس کی نگاہ فقط ”آب و گِل“ پہ تھی جبکہ جبرائیل کی نگاہ ”و نفخت فیہ من روحی“ پہ تھی۔ جس نے خاک جانا وہ خاک ہوا، جس نے نور جانا وہ نور ہوا۔

میرے پاس ناموں کی پوری ایک فہرست ہے جن سیرت نگاروں نے حضور (ﷺ) پہ کتب لکھی ہیں مگر جاتے ہوئے کلمے سے محروم رہے اور آج بھی جو زندہ ہیں ان میں بھی کئی ایسے ہیں جن کا سیرت پہ بہت شاندار کام کہا جاسکتا ہے مگر کلمہ ٔحق کی گواہی سے محروم ہیں۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر سرکار دوعالم (ﷺ) کی ذاتِ گرامی سے آپ کا تعلق فقط سیاست، معاشرت، مادیت پرستی اور ظاہر پرستی کا ہے تو سینے میں کبھی بھی ذاتِ مصطفٰے (ﷺ) پہ ایمان نہیں اتر سکتا۔ کیونکہ ایمان اس وقت دل میں اترتا ہے جب حضور (ﷺ) کی ذاتِ اقدس سے آپ کی روح اور آپ کے قلب کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ جب حضور (ﷺ) کے ان معجزات اور کمالات پر بندے کا یقین مکمل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو اپنی عطائے خاص کے ساتھ عطا فرما دیے ہیں۔

اگر آپ کتب حدیث کی ورق گردانی کریں چاہے مسانید ہوں، سنن ہوں، جامع ہوں مستدرک ہوں، کتبِ حدیث کی جو بھی قسم ہو تو معلوم ہو گا کہ محدثینِ کرام کا یہ طریق ہے کہ وہ اُن میں فضائل و مناقب نبی (ﷺ) پر الگ الگ ابواب مرتب کرتے ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذیؒ نے پورے پورے باب نقل کئے ہیں۔ اگر میں تجاوز نہیں کر رہا تو ’سنن الترمذی‘ کے متعلق یہ کہنا بجا ہو گا کہ سرکار دوعالم (ﷺ) کی ذات گرامی سے عشق اور محبت نئے ولولوں اور جذبوں سے سرشار ہوتے ہیں جب آپ جامع ترمذی کے ابوابِ مناقب و فضائل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ آئمہ دین سرکار دوعالم (ﷺ) کے معجزات و کمالات باطنی پہ نہ صرف یقین رکھتے تھے؛ بلکہ اس یقین کو اصلِ ایمان کہتے ہیں۔

امام ابن کثیرؒ جیسے محدث و مفسر نے معجزات نبی (ﷺ) پہ الگ مبسوط کتاب لکھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ قاضی عیاض، امام بیہقی، امام ابونعیم اصبہانی، امام عبدالرحمان جامی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام احمد رضاخان قادریؒ کو دیکھ لیں اور دیگر آئمہ کرام کی ایک طویل فہرست ہے۔ سب کے ہاں سرکار دوعالم (ﷺ) کی ذات گرامی سے محبت کی اساس حضور نبی کریم (ﷺ) کا شرفِ باطن ہے۔ جب تک فضل و شرفِ محمدی (ﷺ) کا نور بندے کے وجود میں جاگزیں نہیں ہوتا تب تک ایمان وسوسوں کے درمیان لڑکھڑاتا رہتا ہے۔

اس لئے دوستو! اپنے آپ کو اس درخت کی طرح کرلیں جو اپنے اندر سے نئی شاخیں، اپنے اوپر برگ و بار پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن ایسا تبھی ممکن ہے جب درخت کی جڑوں میں نمی رہے۔ لیکن جب جڑ کا نم نکال لیا جائے یا اس کی جڑیں کاٹ لی جائیں تو درخت کے تنے ہرے نہیں ہوسکتے، اس پر شاخیں اور ٹہنیاں نہیں نکل سکتیں، اس پر پتے نہیں اُگ سکتے، اس پر پھل نہیں لگے گا۔ اسی طرح سرکار دوعالم (ﷺ) کا وہ شرف جو کل کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو عطاء فرمایا ہے مومن کے ایمان کے درخت کا نم ہے وہ نم نکل جائے تو ایمان کا درخت ہرا نہیں رہتا، پھول نہیں کِھل سکتے، پھل نہیں لگتا۔

قرآن مجید کی رو سے دیکھیں کہ کس طرح خالقِ کائنات نے سرکار دوعالم (ﷺ) کی حیثیت کو قرآن مجید میں مسلمانوں کے دلوں میں اُتارا؛ آدمی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی صفات و اسماء کا ذکر کیا اور پورے قرآن میں پھیلا کر بیان کیا چاہے وہ سورۃ الحدید ہو، سورۃ الحشر ہو، آیت الکرسی ہو، سورہ الاخلاص ہو، سورۃ رحمٰن ہو، سورۃ ملک ہو، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی صفات سے اپنی ذات کی معرفت سے روشناس کرانے کیلئے اپنی مختلف صفات کا اظہار کیا اسی طرح پروردگار نے قرآن کریم میں اپنے حبیب مکرم (ﷺ) کی صفات و عظمت کو پورے قرآن میں پھیلا کے بیان کیا وہ چاہے سورۃ الاحزاب ہو، سورۃ حجرات ہو، والضحیٰ ہو، سورۃ الکوثر ہو، سورۃ الم نشرح ہو کہیں سے بھی قرآن مجید کو کھول کر دیکھ لیں جس طرح آیات ایک تسلسل اور زورِ بیان سے صفات باری تعالیٰ کے

بیان میں نازل ہوئیں اسی زورِ بیان سے اللہ تعالیٰ نے حضور (ﷺ) کی صفات کو قرآن میں بیان کیا۔ مثلاً سورۃ الحشر میں دیکھیں:

"هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ"[4]

اب سورۃ الاحزاب میں دیکھیں:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا"[5]

قرآن کا اسلوب دیکھیں۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم کیا کہ میرے حبیب کو اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو تو یہ سنت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انبیاء کو ان کے اسماء کے ساتھ ندا لگائی یا موسیٰ، یا عیسیٰ، یا ابراہیم، یا آدم، یانوح، قرآن میں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ (ﷺ) کے اسم گرامی کا چار مقامات ذکر آیا۔ اسم محمد بھی اور اسمِ احمد بھی آیا مگر کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے ندا لگا کے "یا" کے ساتھ مخاطب نہیں کیا۔ جہاں بھی اپنے محبوب کریم (ﷺ) کو مخاطب کیا تو فرمایا "یاایھاالرسول، یاایھاالنبی"، "والضحیٰ"، "یاایھا مزمل"، "یاایھا لمدثر، "یٰسین"، "طٰحٰہ"۔ مسلمانوں کو بھی یہی حکم فرمایا کہ میں نے بھی مخاطب کرنے کے انداز بدل دیئے ہیں تم بھی میرے حبیب کو مخاطب کرنے کے انداز بدل ڈالو۔ میرے حبیب مکرم (ﷺ) کو اس طرح نہ بلانا جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اگر بلایا تو یہ فرمان سن لو:

"اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ"[6]

"تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو"۔

محدثین کرامؒ نے سرکار دو عالم (ﷺ) کی ذات گرامی کے متعلق کثیر روایات نقل کی ہیں کہ حضور (ﷺ) جہاں سے بھی گزرتے حجر و شجر، چرند پرند بھی حضور (ﷺ) کی ذات کو دیکھ کر کلمہ پڑھتے جس کی گواہیاں صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) نے دی ہیں۔ برکت اور مثال کیلئے چند روایات پیش خدمت ہیں:

امام ابو بکر بیہقیؒ (المتوفی:458ھ) حدیث مبارک رقم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی معیت میں ایک وادی میں داخل ہوا:

فَلَا يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ إِلَّا قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَأَنَا أَسْمَعُهُ[7]

تو آپ (ﷺ) جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ عرض کرتا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" اس حال میں کہ مَیں اس کو سن رہا ہوتا"۔

حضرت جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ بِمَكَّةَ حَجَرًا كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ لَيَالِي بُعِثْتُ إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ"[8]

"مکہ میں ایک پتھر ہے وہ مجھے ان راتوں میں سلام کیا کرتا تھا جب مجھے مبعوث کیا گیا۔ بے شک میں اسے اب بھی پہنچانتا ہوں"۔

حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

"كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ (ﷺ) بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"[9]

"میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا تو ہم مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو کوئی درخت اور کوئی پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے آپ (ﷺ) کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه" نہ کہا ہو"۔

ابو الفضل القاضی عیاض (المتوفی:544ھ) روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث میں ہے (کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا) جب جبرائیل (علیہ السلام) میری طرف رسالت کی وحی لائے تو اس وقت سے میں کسی بھی پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ کہتا ہے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ"[10]

حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ:

"لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ (صلی اللہ علیہ وسلم) یَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ اِلَّا سَجَدَ لَهٗ"[11]

"آپ (ﷺ) جس پتھر اور درخت پر سے گزر فرماتے تو وہ آپ (ﷺ) کو سجدہ کرتا"۔

حتیٰ کہ غیر مسلموں نے بھی گواہیاں دی جس کو امام ترمذیؒ نے "سنن الترمذی کتاب المناقب" میں رقم کیا ہے کہ سرکار دو عالم (ﷺ) اپنے چچا حضرت ابو طالب اور قریش کے دیگر لوگوں کے ساتھ تجارت کا قافلہ لے کر شام میں گئے۔ (بعض اصحابِ تحقیق کے مطابق ابھی بعثت نہیں ہوئی تھی) آپ (ﷺ) ایک گھاٹی سے اتر کر آگے آئے تو ایک راہب آیا اور اس نے قریش کو کہا کے اے لوگو! یہ جو شخص تمہارے ساتھ ہے کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ پھر خود ہی کہنے لگا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں، یہ تمہارے درمیان اللہ کا آخری رسول آرہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لئے رحمت بنا کے بھیجا ہے۔ انہوں نے راہب سے پوچھا کہ تم نے کیسے پہچانا؟ اس نے کہا کے جب تم اس گھاٹی سے اتر رہے تھے میں نے دیکھا کہ جتنے درخت اور پتھر تھے اس آدمی کی تعظیم میں سجدہ کر رہے تھے۔

یہ حضور نبی کریم (ﷺ) کا اعجاز تھا کہ کنکریوں نے کفار کے ہاتھوں میں کلمہ پڑھا۔ اسی طرح اگر حضور (ﷺ) کے لعاب مبارک کے فضائل بیان کرنے شروع کیے جائیں تو ایک مجلس نہیں بلکہ کئی مجالس بھی کم ہو جائیں۔ حضور (ﷺ) کے خون مبارک کی پاکی، حضور نبی کریم (ﷺ) کے بدن مبارک سے جو بھی بر آمد ہو اس کی پاکی، آپ (ﷺ) کی نگاہ مبارک کی پاکی، آپ (ﷺ) کی انگلیوں مبارک سے جو چشمے اور کرشمے پھوٹے، آپ (ﷺ) کے سینے مبارک پہ، حضور کی گردن شریف پر گفتگو کی جائے تو سینکڑوں مجالس و محافل بھی کم پڑ جائیں۔ امام ترمذیؒ نے اسی راہب کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے یہ بھی گواہی دی تھی کہ آپ (ﷺ) کی پشت پہ مہر نبوت ہے۔

یاد رکھیں! کہ ایک اُمّتی کے طور پہ حضور نبی کریم رؤف رحیم (ﷺ) کی ذات گرامی سے کبھی بھی اپنی مادیت اور اپنے ظاہری مفاد کا تعلق نہ سمجھیں۔ کیونکہ جو صفات و کمالات میرے حضور نبی کریم (ﷺ) کا خاصہ ہیں ان کا کل کائنات میں کوئی ثانی و مثل نہیں ہو سکتا۔ پھر چاہے کوئی آپ کو والد کے طور پر دیکھ لے، شہری، پڑوسی، قائد، بانیٔ تہذیب، مردِ آفرین یا عظیم انسان کے طور پہ دیکھ لے سرکار دو عالم (ﷺ) کی ظاہری صفات میں بھی ان کا مثل و ثانی کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ مروجہ ظاہر پرستانہ

روِش پہ اِکتفا مسلمان کے ایمان کا منہج نہیں ہے بلکہ مسلمان کے ایمان کا منہج اس سے کہیں بڑھ کر ہے ؛اور وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے اس شرف و کمالات پہ یقین رکھنا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولادت وبعث اور حتیٰ کہ اس کائنات کی تخلیق سے قبل روحِ محمد (ﷺ) کو عطا فرمائے ہیں۔ اس لیے حکیم الامت علامہ محمد اقبال ارشاد فرماتے ہیں کہ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کدۂ تصورات

سرکارِ دوعالم (ﷺ) سے جن کا تعلق عشقِ باطن اور روحانی جذبے کا رہا ان کے وجود اس مخلوق کیلئے ہمیشہ رحمت ہی رحمت رہے ہیں۔ اس کے برعکس جنہوں نے معتزلہ اور خوارج کی طرح آپ (ﷺ) کے کمالاتِ باطنی کا انکار کیا تو ان کے ہاں نفرت، تعصب اور قتل وغارت کی سوداگری نظر آئے گی۔ اگر آپ اس شر، خون ریزی وفتنہ فساد جو برادرِ اسلامی ممالک میں جاری و ساری ہے، سے بچنا چاہتے ہیں تو جان لیں کہ وجود میں جو لطافت پیدا ہوتی ہے، رحمتِ مصطفےٰ (ﷺ) کا جو فیض جاری ہوتا ہے وہ آپ (ﷺ) کے تعلقِ باطن سے پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے اپنے دلوں کو عشقِ مصطفےٰ (ﷺ) سے منور کریں۔ اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا قبلہ گنبدِ خضرہ کو بنائیں کیونکہ بزبانِ حکیم الامت:

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

”اپنے آپ کو مصطفےٰ کریم (ﷺ) تک پہنچادو کیونکہ سارے کا سارا دین آپ (ﷺ) ہیں۔ اگر تم آپ (ﷺ) تک نہ پہنچے تو (تمہارا) سارے کا سارا عمل بولہبی یعنی بے دینی ہے“۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے

اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اپنے آپ کو حضور نبی کریم (ﷺ) کی معرفت تک پہنچاؤ۔ کیونکہ جب میں اس امت کو جلتا ہوا دیکھتا ہوں تو افکار کا تجزیہ کرتا ہوں کہ کون سی فکر جلانے کی طرف لے کر جاتی ہے اور مجھے ہمیشہ یہی سبق ملا کہ جس تعلیم و فکر میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی محبتِ باطنی شامل ہو جائے گی اس سے کبھی رحمت ختم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جہاں کہیں بھی جو شخص آپ (ﷺ) کے کلمہ کو اپنے سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کر رہا ہے وہاں آپ کو نفرت، تعصب اور قتل وغارت نظر آئے گی۔

اس لئے میں اس امت کو بالخصوص نوجوان نسل کو یہ دعوت دینا چاہوں گا کہ آؤ! رحمت اللعالمین کا کلمہ پڑھنے والو! آؤ اور اپنے آپ کو سراپا رحمت میں ڈھال لو۔ اس لئے آپ آئیں اور عملی زندگی کے لیے تربیت حاصل کریں کہ کیسے بندے کا وجود عامۃ الناس کے لیے رحمت بنتا ہے۔ کیسے بندہ اللہ تعالیٰ کی کل مخلوق کے لیے اپنے وجود سے رحم و کرم اور عفو و درگزر کے علاوہ ہر معاملے کو بھول جاتا ہے۔ پھر بندے کے وجود میں شدت اور نفرت نہیں رہتی بلکہ اس کے وجود میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کے خیمے کا پردہ اٹھا کے ابن زیاد جیسا سفاک شخص بھی پانی طلب کرے تو وہ تین کٹورے بھر کے دیتے ہیں۔ وہاں ابن زیاد نے پوچھا کے آپ نے مجھے نہیں پہچانا تو امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) رونے لگ گئے اور یاد رکھیں کہ امام زین العابدین محسنِ علم حدیث ہیں ابن شہاب زہری کے استاد اور امام مالک ابن شہاب کے شاگرد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس سند اور رجال کے علم کو قائم فرمایا؛ انہوں نے فرمایا کے ابن زیاد تمہیں کون نہیں پہچانتا اور میں کیسے بھول سکتا ہوں کیونکہ میں ہی تو وہ واحد گواہ ہوں اس پورے واقعہ کربلا اور تیرے ظلم وستم کا۔ اس نے کہا تو پھر آپ نے مجھے اتنی محبت و شفقت سے پانی کیوں پلایا۔ آپؓ نے فرمایا کہ ابن زیاد جب ہم تیرے پاس آئے تھے اس وقت جو تو نے کیا وہ تیری اخلاقیات تھیں اور جو تم نے مجھ سے دیکھا یہ ہمارے گھرانے کی اخلاقیات ہیں۔ ایسے بدترین، سفاک قاتلوں کو بھی معاف کرنے کا جذبہ اگر پیدا ہوتا ہے تو

مصطفیٰ کریم (ﷺ) ذات اقدس سے تعلقِ روحانی کی بنیاد پہ پیدا ہوتا ہے۔اس لئے یہ جماعت اس رحمت کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطاء فرمائے اور ہمیں عشقِ مصطفیٰ (ﷺ) کے رنگ میں رنگ دے۔

بزبانِ حضرت سلطان باھو (قدس اللہ سرّہٗ):

ب: بِسم اللہ اِسم اللہ دا ایہــــ بھی گہناں بھَاراھو
نَال شفاعتـــ سَرورِ عَالم چھُٹسی عَالم سَاراھو
حَدوں بے حد دُرُود نبیؐ نوں جَیندا اَیڈ پسَاراھو
مَیں قُربان تِنہاں توں باھوؒ جنہاں مِلیا نبیؐ سوہاراھو

حوالہ جات وتعلیقات

[1] (الصف:9)

[2] (سیرۃ ابن ہشام، باب: وَفَاةُ أَبِي طَالب وَخَدِيجَة)

[3] (ان کی تقریر پہ صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب نے الگ تحقیقی رسالہ تالیف کر رکھا ہے)

[4] (الحشر:23)

[5] (الاحزاب:45-46)

[6] (الحجرات:2)

[7] (دلائل النبوۃ)

[8] (سُنن الترمذی، ابواب المناقب)

[9] (ایضاً)

[10] (الشفا بتعریف حقوق المصطفٰے (ﷺ))

[11] (ایضاً)

رسول اکرم ﷺ کے مکتوبات اور معاہدات کا تحقیقی جائزہ

مفتی محمد ہاشم
(ریسرچ اسکالر)

مکتوبات و خطوط لکھنے اور انہیں محفوظ رکھنے کا سلسلہ قدیم ہے۔ جب انسانوں نے لفظ ایجاد کیئے تو انہیں لکھنا بھی ایجاد کیا۔ حسبِ ضرورت صحائف اور دیگر تحریروں کو محفوظ کرنے کیلئے لکھ لیا جاتا۔ قبائل اور ممالک کا احوال، وباؤں کا اور فسادات کا احوال از منہ قدیم سے مکتوبات کی ایک شکل رہا ہے۔ ایک دوسرے سے مدد مانگنے کیلئے بھی خطوط لکھے جاتے۔ انبیا کرام (علیہم السلام) اور مختلف بادشاہ اپنی اطاعت قبول کرنے کے نامے بھی لکھتے رہے۔ قرآن مجید میں حضرت سلیمان (علیہ اسلام) کا ملکہ سبا کو لکھے گئے خط کا تذکرہ موجود ہے کہ خط ملنے پر ملکہ سبا حضرت سلیمان (علیہ اسلام) کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جب ہم اپنے نبی پاک شہِ لولاک (ﷺ) کی سیرتِ پاک کا مُطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ایک انتہائی اہم پہلو آپ (ﷺ) کے خطوط اور مکتوبات ہیں جو کہ ابوابِ سیرت کا نہایت روشن باب ہیں جن سے ہم دعوت کا نبوی طریق اور نبوی اسلوب سیکھتے ہیں کہ حکمت و اخلاقیات اور شانِ بے نیازی یقین باالله کے کن معیارات کو ملحوظ رکھ کر ایک نبی معاصر امم وملوک کو مخاطب فرماتا ہے۔ آقا پاک (ﷺ) نے مختلف بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کو خطوط ارسال فرمائے۔ پھر اس کے بعد خلفائے راشدین

(رضی اللہ عنہم) نے بھی بہت سے لوگوں کے نام خطوط لکھے، یہ خطوط شائع ہو چکے ہیں اور اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں ان کے حوالے دیتے ہیں۔

مکتوبات نبوی (ﷺ):

قرآن حکیم کے اس ارشاد کے مطابق:

''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ''

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا''۔(۱)

آپ (ﷺ) کی نبوت و رسالت عالمگیر ہے۔ اسی عالمگیر نبوت کی بعثت کے تحت آپ (ﷺ) نے سینکڑوں کی تعداد میں خطوط روانہ فرمائے تاکہ اسلام کا عالمگیر پیغام دنیا کے تمام گوشوں تک پہنچ جائے۔ ان خطوط کے مخاطبین میں مختلف قسم کے لوگ شامل تھے۔ ان میں سے کچھ خطوط تو اس عہد کے عظیم اور پر ہیبت بادشاہوں کے نام ہیں جن میں اہل کتاب کے علاوہ مشرک بھی تھے۔ بعض خطوط عرب کے علاقائی بادشاہوں، راجاؤں اور سرداران قبائل کے نام ہیں اور کچھ مکتوبات آپ (ﷺ) نے صحابہ کرام، مسلم عمائدین اور سپہ سالاروں کو بھی تحریر کیے۔ یہاں پر ہمارا مقصد صرف ان چند خطوط کا جائزہ لینا ہے جو ماضی قریب میں اصل متن کے ساتھ اصل شکل میں دریافت ہوئے ہیں۔ یہ خطوط جو معروف و مشہور ہیں اور ان کا تذکرہ کتبِ سیرت و تاریخ میں تواتر سے ملتا ہے، دور حاضر میں ان کی دریافت اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام کے معجزے کا اظہار ہے۔ اگرچہ آپ (ﷺ) کی نبوت و رسالت کی صداقت کے لئے ہمیں کسی ایسے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' کے مصداق آپ (ﷺ) کی رسالت و تعلیمات ہر طرح سے عیاں ہیں۔ البتہ اہل ایمان کے لئے تقویت کا باعث اور منکرین کے لئے حجت کا سبب ضرور ہے کیونکہ انسانیت کے لئے جتنے بھی فضائل، محاسن اور آداب ہو سکتے ہیں وہ تمام کے تمام اسلام کی ابدی تعلیمات کا جزو لازم ہیں، اسلام کی انہی ابدی صداقتوں سے دیگر اقوام عالم کو روشناس کرانے کے لئے آپ (ﷺ) نے ضروری سمجھا کہ سلاطینِ عالم تک خطوط کے ذریعے اس پیغام کو پہنچایا جائے، تاکہ آپ (ﷺ) اپنے فریضہ تبلیغ سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہو سکیں۔

کتب سیرت نبوی (ﷺ) کے مطالعہ کے بعد مکتوبات نبوی (ﷺ) سے متعلق درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے صلح حدیبیہ سے واپسی پر ماہ ذی الحجہ 6ھ میں بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط بھیجنے کا ارادہ کیا، اس موقع پر آپ (ﷺ) نے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) سے مشورہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، تمام دنیا کو یہ پیغام پہنچاؤ، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریین کی طرح اختلاف نہ کرنا کہ اگر قریب جانے کو کہا تو راضی ہوگئے اور اگر کہیں دور جانے کا حکم دیا تو زمین پر بوجھل ہو کر بیٹھ گئے۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) جو اطاعت و جانثاری کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اپنے خلوص، تعمیلِ ارشاد اور وفا شعاری کے بڑے سے سخت مراحل میں بھی اعلیٰ درجہ کی کامیابی کی سند اور "رضی اللہ عنہ" کا طلائی تمغہ حاصل کر چکے تھے، انہوں نے اس خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھا اور تعمیلِ ارشاد کے لئے دل و جان سے تیار ہوگئے۔ مگر بایں ہمہ آپ کی خدمت اقدس میں ایک مشورہ بھی پیش کیا کہ:

یارسول اللہ! جس خط پر مہر نہ ہو، سلاطین اس کو قابلِ وثوق اور قابل اعتماد نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ ایسے خط کو پڑھتے تک نہیں۔

آپ (ﷺ) نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے مشورہ سے ایک مہر کندہ کروائی، جس کا حلقہ چاندی کا تھا تو نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا، مگر صنعت حبشہ کی تھی اس پر مہر کی شکل میں "محمد رسول اللہ" کندہ تھا صورت یہ تھی: سب سے نیچے لفظ محمد، سب سے اوپر لفظ اللہ اور درمیان میں لفظ رسول تھا"۔ (۲)

"جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ (ﷺ) نے دنیا کے چھ مشہور حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط روانہ فرمائے اور ان پر اپنی مہر بطورِ دستخط ثبت فرمائی"۔ (۳)

"قیصر و کسریٰ وغیرہ کے نام خطوط کا ذکر "صحیح بخاری" میں بھی موجود ہے اور خط پر مہر لگانے کیلئے چاندی کی انگوٹھی تیار کرنے کا ذکر بھی موجود ہے"۔ (۴)

(1) "آپ (ﷺ) نے یہ مہر لگا کر سلاطین و امراء کے نام خطوط روانہ فرمائے، ان کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ رعایا کی گمراہی کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔

واقدی کے قول کے مطابق آپ (ﷺ) نے یہ خطوط 6ھ کے اخیر ماہ ذوالحجہ میں صلح حدیبیہ کے بعد روانہ کئے اور بعض کے نزدیک 7ھ میں روانہ کئے گئے۔ ممکن ہے کہ آپ (ﷺ) نے سلاطین عالم کے نام یہ خطوط بھیجنے کا ارادہ تو 6ھ کے آخر میں فرمایا ہو اور پھر 7ھ میں خطوط روانہ کئے ہوں"۔(۵)

(2) "بہر حال حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے یہ خطوط روانہ کئے گئے"۔(۶)

(3) "مکتوبات نبوی (ﷺ) میں جن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے، ان میں چار مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں: (1) مشرکین عرب، (2) عیسائی، (3) یہودی اور (4) زرتشی (مجوسی)"۔

آپ (ﷺ) نے ہرقل اور مقوقس کے نام جو خطوط لکھے، ان میں آپ (ﷺ) نے اپنے نام کی خصوصیت کے ساتھ "عبد اللہ" (خدا کا بندہ) لکھا، جس سے مخاطب کے عقیدے کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کر دی گئی ہے کہ انبیاء و مرسلین خدا کی اولاد نہیں، بلکہ مخلوق ہوتے ہیں۔ فارس خسرو پرویز کے نام جو نامہ مبارک ارسال کیا گیا، اس میں عقیدۂ توحید کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا کیونکہ فارس میں دو خداؤں کا عقیدہ موجود تھا، اس کے بعد اسلام کے عالمی مذہب ہونے اور آپ کے تمام اقوام کی جانب مبعوث ہونے کا صاف لفظوں میں اظہار کیا گیا۔ یہود کے نام خط میں تورات کے حوالے دے کر اپنی نبوت کا اثبات کیا گیا اور مشرکینِ عرب کے نامۂ مبارک میں توحید خدا پر زور دے کر غیر خدا کی عبادت سے روکا گیا۔

قیصر روم (جو کہ مذہباً عیسائی تھا) نے آپ (ﷺ) کے دعوتی خط کے بعد احوال کا جائزہ لے کر آپ (ﷺ) کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا، مگر اسلام قبول نہ کیا۔ اسی طرح عزیز مصر مقوقس نے بھی (جو کہ مذہبا نصرانی تھا) آپ (ﷺ) کی نبوت و رسالت کا اعتراف کیا، مگر حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوا، نجاشی شاہ حبشہ (جو کہ عیسائی تھا) حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

مکتوب نبوی (ﷺ) اور اہل سندھ:

"بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے ایک خط اہل سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ خوش قسمت حضرات حلقہ بگوش اسلام ہو کر دربار رسالت مآب (ﷺ) میں حاضر ہوئے"۔(۷)

(4)"آپ (ﷺ) نے ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں اور عرب کے قبائلی سرداروں کے نام جو خطوط تحریر فرمائے ہیں، ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے دنیا میں کس طرح کا ذہنی، فکری اور عملی انقلاب برپا کیا؟ اور انسانیت کے لئے کیسے کیسے زریں اصول وضع فرمائے؟ تمدن اور معاشرت کو کن راہوں پر ڈالا؟ اور انسانیت کے فطری تقاضوں کی کس حد تک تکمیل فرمائی؟ کسی شخصیت کا مطالعہ اس کے خطوط کی روشنی میں بہترین مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔ خطوط کے ذریعے مکتوب نگار کی سیرت، شخصیت، روزمرہ پیش آنے والے حالات و واقعات، معاشرتی و سیاسی تغیرات اور اس عہد کے معاشرتی و سیاسی اور تاریخی عوامل با آسانی معلوم ہو جاتے ہیں، نیز کسی شخص کے انفرادی و اجتماعی حالات معلوم کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ کسی مفکر کا قول بھی ہے کہ "خطوطِ انسانی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے بادشاہوں، قبائل عرب کے سرداروں اور گورنروں کے نام جو خطوط لکھے، وہ کتب حدیث میں محفوظ ہیں"۔

مکتوبات نبوی (ﷺ) کی تحقیق:

"مکتوبات کی تعداد 300 کے قریب ہے، ان میں سے 139 خطوط ایسے ہیں جن کا اصل متن محفوظ ہے اور 86 خطوط وہ ہیں جن کا صرف مفہوم کتب میں ذکر کیا گیا ہے"۔(۸)

آپ (ﷺ) کے مکاتیب کو سب سے پہلے حضرت عمرو بن حزم انصاری (رضی اللہ عنہ) نے مرتب کیا تھا، انہوں نے آپ (ﷺ) کے 21 مکاتیب گرامی جمع کئے تھے۔

ابن طولون نے بھی اپنی کتاب "مفاکھۃ الخلان فی حوادث الزمان" میں مکاتیب پر لمبا چوڑا نوٹ لکھا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے "الوثائق السیاسیہ" کے نام سے بہت جامع کام کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ "رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی" کے نام سے دستیاب ہے۔ اس موضوع پر اردو میں اب تک جنہوں نے سب سے زیادہ قابل قدر کام کیا ہے، وہ مولانا سید محبوب رضوی صاحب ہیں، موصوف نے اپنی کتاب "مکتوبات نبوی (ﷺ)" میں آقائے نامدار (ﷺ) کے 300 کے قریب مکاتیب جمع کر دیے ہیں اور بہت تحقیقی کام کیا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے "بلاغ مبین" میں آپ (ﷺ) کے مکاتیب کو جمع کیا ہے۔

صاحبزادہ عبد المنعم خان نے "رسالات محمدیہ" میں مکتوبات نبوی (ﷺ) کی کافی تعداد جمع کر دی ہے۔

"گذشتہ 2 صدیوں میں آپ (ﷺ) کے 6 مکتوبات اپنی اصلی حالت میں دستیاب ہو چکے ہیں، یہ مکاتیب نجاشی شاہ حبشہ، منذر بن ساوی گورنر بحرین، قیصر روم ہرقل، شاہ مصر و اسکندریہ مقوقس، شہنشاہ ایران خسرو پرویز کسریٰ، شاہ عمان جیفر و عبد ان کے نام ہیں"۔(۹)

اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ وہی ہے جو آپ (ﷺ) نے اختیار فرمایا، مکتوبات نبوی (ﷺ) میں اسی طریقہ کو پیش کیا گیا ہے، آپ (ﷺ) کے ان خطوط سے جوبات نمایاں طور پر سمجھ میں آتی ہے، وہ یہی ہے کہ اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے کس انداز سے پیش کرنا چاہیے؟ اور مسلمانوں کو غیر مسلموں سے تعلقات و معاملات میں کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیے؟ ان خطوط میں تبلیغی جذبے کی آبیاری کا سامان بھی ہے اور تزکیۂ باطن و اصلاح نفس کے لئے رہنمائی بھی۔ اصول دین کی تبلیغ بھی ہے اور اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل کا ذکر بھی۔ آپ (ﷺ) نے شاہانِ عالم کے نام جو خطوط ارسال فرمائے ہیں، یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت فقط جزیرۂ عرب کے "اُمّیّین" کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ آپ (ﷺ) کی رسالت عرب و عجم، جن و انس، یہود و نصاریٰ، مشرکین، مجوس اور پوری دنیا کے انسانوں کے لئے یکساں ہے۔

مکتوبات و معاہدات نبوی (ﷺ) کی مختصر اُو اجمالی تفصیلات درج ذیل ہیں:

نامہ مبارک بنام نجاشی، شاہ حبشہ:

"نجاشی کے نام تین مکاتیبِ نبوی (ﷺ) اس وقت سیرت کی کتب میں موجود ہیں البتہ معروف دوسرا مکتوبِ نبوی ہے جس کے ملنے پر شاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا"۔(۱۰)

(ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: "11 مئی 1939ء کو جب میں نے آکسفورڈ میں ابتدائے سن ہجری کے چند عربی مکتوبات مدینہ پر لیکچر دیا تو پروفیسر مارگویتھ نے جلسے میں بیان کیا کہ ایک مکتوب نبوی جو نجاشی حبشہ کے نام بھیجا گیا تھا، دستیاب ہو گیا ہے اور اسکارٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر کے توسط سے اس شخص کو ایک خط بھیجا۔ کئی ماہ بعد مجھے اس کا جواب حیدر آباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلاپ کا سیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب مبارک کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی، منسلک تھی اور وعدہ کیا گیا تھا کہ اسکارٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو بھی دیا جائے گا نیز اس

مکتوب پر ایک مضمون بہت جلد لندن کے رسالہ جے آر ای ایس میں بھی چھپے گا (بعد میں یہ مضمون مذکورہ رسالہ کے جنوری 1940ء کے شمارہ میں چھپا اور اس مذکورہ مکتوب کا فوٹو بھی شائع ہوا")۔(۱۱)

یہ خط ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی ہے اس میں حروف کی شکل گول اور جلی ہے اس لئے آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ بھورے رنگ کی سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور خط کی 17 سطریں ہیں۔ آخر میں ایک انچ قطر کی گول مہر کا نشان ہے جو فوٹو میں صاف نہیں ہے۔(۱۲)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی النجاشی عظیم الحبشہ سلام علی من اتبع الھدی اما بعد انی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن واشھد ان عیسی ابن مریم البتول الطیبہ الحصینہ فحملت بعیسی من روحہ و نفخہ کما خلق ادم بیدہ وانی اعودک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ و الموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی وتؤمن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ و انی اعودک وجنودک الی اللہ عزوجل وقد بلغت و نصحت فاقبلونصیحتی۔ والسلام علی من التبع الھدی"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے عظیم نجاشی کی جانب، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ "امابعد" میں اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ تمام عیبوں سے پاک ہے، امن دینے والا اور سب کا نگہبان ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتاہوں کہ عیسی ابن مریم (علیہا اسلام) اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالی نے مریم بتول طیبہ عفیفہ کی جانب القاء کیا (کہ وہ اللہ کے نبی (حضرت) عیسٰی (علیہ السلام) کی والدہ بنیں) پس اللہ ہی نے ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو (حضرت مریم (علیہا السلام) میں) پھونک دیا۔ جیسا کہ اس نے (حضرت آدم (علیہا السلام) کو اپنے دست قدرت سے بنایا۔ میں تجھے اللہ کی طرف اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی محبت کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور اس پر یقین کرے جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے (یعنی قرآن) کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں اور میں نے اللہ کا حکم پہنچادیا اور تمہیں نصیحت کر دی پس تم میری نصیحت قبول کرو اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"۔

نامہ مبارک بنام کسریٰ، شاہ فارس:

مؤرخین عام طور پر یہ لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز (☆مئی 1963 کی دسویں یا اس کے لگ بھگ زمانہ میں ساری دنیا کے تمام بڑے اخباروں نے بیروت کی یہ اطلاع شائع کی کہ وہاں کے سابق وزیر خارجہ (ہنری فرعون) کے موروثی ذخیرے میں اصل مکتوب نبوی بنام کسریٰ دریافت ہوا ہے۔ یہ دریافت چونکہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے کی تھی۔ اس لیے انہوں نے 22 مئی 1963ء کو بیروت کے روزنامہ "الحیوۃ" میں اس نامہ مبارک کا فوٹو ایک تحقیقی مضمون کے ساتھ شائع کیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے مذکورہ خط کے بارے میں کچھ اقتباسات اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں کہ ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگ کے اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی، یا تو اس کو خود معلوم نہ تھا یا اس نے اپنے اہل خانہ کو نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے۔ بہر حال ہنری فرعون کو 1962ء تک معلوم نہ تھا کہ یہ مکتوب نبوی (ﷺ) ہے۔ نومبر 1962ء کے آخر میں اس نے یہ خط صلاح الدین المنجد کے سپرد کیا کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ یوں یہ خط منظر عام پر آیا۔ (۱۳)

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس خط کے بارے میں بتایا:

(۱) یہ ایک رق جھلی ہے جس کا رنگ مرور زمانہ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہے اور کانچ کے ایک فریم میں بند ہے۔ (۲) جھلی پرانی اور نرم ہے، گہری خاکی رنگ کی ہے، اس کے کنارے کالے پڑ گئے ہیں۔ یہ 38 سینٹی میٹر لمبی اور ساڑھے اکیس سنٹی میٹر چوڑی ہے (۳) یہ جھلی مستطیل سی ہے مگر چوڑائی یکساں نہیں ہے، اوپر زیادہ چوڑی ہے اور نیچے کم۔ (۴) اس پر عبارت 15 سطروں پر مشتمل ہے مگر کوئی سطر اڑھائی سم ہے تو کوئی ساڑھے اکیس سم۔ (۵) عبارت کے نیچے گول مہر ہے جس کا قطر تین سم ہے۔ (۶) جھلی کے نچلے حصے نے پانی کا مار کھایا ہے۔ جس کے باعث بعض جگہ الفاظ مٹ گئے ہیں اور بعض جگہ مدھم ہو گئے ہیں۔ مہر کی عبارت مٹ گئی ہے (۷) اس جھلی کو کسی نے پھاڑنے کی کوشش کی ہے چنانچہ وہ تیسری سطر سے دائیں طرف سے وسط تک چری گئی ہے۔ پھر طولا دسویں سطر تک پھٹی ہے۔ (۱۴)

قیصر نے رسول اکرم (ﷺ) کے مکتوب گرامی کو چاک کر دیا تھا۔ مگر اس کے بعد مکتوب گرامی کا کیا ہوا، اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ کسریٰ نے ٹکڑے اکٹھے کر کے ابن حذافہ (قاصد) کو دے دیے تھے کہ رسول اللہ (ﷺ) کو بطور ہدیہ دے دینا تاہم اس

وقت کون جانتا تھا کہ کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت تباہ ہو جانے والی ہے اور جس تحریر کو بظاہر چاک کر کے پھینک دیا گیا ہے وہ مرور زمانہ اور گردش روزگار کے باوجود 1400 سال کے بعد بھی دستیاب ہو سکتی ہے"۔(۱۵)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔من محمد ابن عبداللہ و رسولہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من التبع الھدیٰ و امن باللہ و رسولہ وشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ وان محمدا عبدہ و رسولہ ادعوك بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لا نذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیك"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے فارس کے عظیم کسریٰ کی جانب، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔میں تجھے اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول (بھیجا ہوا) ہوں تاکہ ہر زندہ انسان کو (آخرت) کا ڈر سناؤں اور کافروں پر اللہ کی بات ثابت ہو جائے۔ اسلام قبول کرو سلامت رہو گے۔پھر اگر تو نے انکار کیا تو تمام مجوسیوں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا"۔

نامہ مبارک بنام مقوقس، شاہ قبط مصر:

☆ڈاکٹر حمید اللہ مذکورہ خط کی دریافت کی بابت لکھتے ہیں: "موسیو بارتل می نامی ایک مستشرق اپنے کچھ ساتھیوں سمیت کچھ عرصے سے مصر کی قدیم ترین زبان کا مطالعہ کرنے لگے ہیں۔خاص کر قبطی زبان کے مخطوطات تلاش کر رہے ہیں جو مصر کے تنہائی پسند راہبوں کے قبضے میں موجود ہیں اور عہد سلف کے متعلق قیمتی آثار پر مشتمل ہیں۔اسی تلاش کے دوران ایک دن جب وہ تھکن سے چور چور ہو چکے تھے۔اخمیم کے قریب ایک راہب خانے کو پہنچے۔اس راہب خانے میں ایک عربی مخطوط دستیاب ہوا جو صورت میں بہت معمولی نظر آتا تھا اس کی جلد سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اصل میں کسی ایسی کتاب کے لئے تیار کیا گیا تھا جو خاصے بڑے حجم کی ہو گی۔یہ جلد کناروں سے خراب ہو گئی تھی اور اس کے اندر سے کچھ قبطی حروف دکھائی دے رہے تھے۔ہمارے سیاح نے کوشش کی کہ اس پہلے ورق کو الگ کرے

جو متعدد لکھے ہوئے اوراق کو لپٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ جب احتیاط سے اسے علیحدہ کیا گیا تو فی الحقیقت اندر سے کوئی دس اوراق بر آمد ہوئے جن پر قبطی زبان کے قدیم خط میں انجیل لکھی ہوئی تھی۔ ان اوراق کو ایک موٹے کاغذ میں لپیٹا گیا تھا اور سب کو جوڑ دیا گیا تھا، وسطی حصہ جو باہر سے دونوں پہلوؤں کو ملاتا تھا سیاہ چمڑے کے ایک ٹکڑے سے بنا ہوا تھا۔ چنانچہ موسیو بار تل می نے دونوں پہلوؤں سے ان قبطی اوراق کو یکے بعد دیگرے جدا کیا جو کتاب کے داخلی حصے پر مشتمل تھے۔ اس پر انہیں ان اوراق کے اندر بیچ میں دونوں پہلوؤں پر چمٹا ہوا کھال یا جھلی کا ایک ٹکڑا نظر آیا جسے کیڑوں نے دو جگہ سے چاٹ لیا تھا۔ موسیو بار تل می کو اس پر اس خط میں کچھ عربی حروف سے نظر آئے، ہزار کوشش کے بعد انہوں نے لفظ محمد کو پڑھ لینے میں کامیابی حاصل کی۔ اب اس میں کوئی شبہہ نہ رہا کہ یہ دستاویز خاصی دلچسپی کی حامل ہے اس لئے انہوں نے جتنی احتیاط ممکن تھی برت کر اس کھال کو پوری طرح علیحدہ کرنے کی کوشش کی، چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرتے اسے بھگونے اور نم کرنے پر مجبور تھے۔ اس کاروائی میں چند الفاظ جو پہلے ہی سے مٹ چلے تھے پوری طرح غائب ہو گئے۔ اس خط کو کچھ دنوں بعد موسیو بار تل می نے سلطان عبد المجید خان اول کے ہاتھ تین سو اشرفیوں میں فروخت کر دیا۔ یہ خط تبرکات نبوی (ﷺ) کے ساتھ مصر کے شاہی خزانے میں داخل ہو گیا۔ یہ نامہ مبارک عجائب خانہ توپ قابلی سرائے میں محفوظ ہے 1966ء میں اس کو عجائب خانہ میں کھول کر رکھ دیا گیا کہ ہر کوئی اس خط کو دیکھ سکتا ہے۔ (۱۶)

سید محبوب رضوی اس مکتوب کے بارے میں لکھتے ہیں: ”آٹھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن احمد المقدسی نے مصباح المغی کے نام سے مکتوبات نبوی کو جمع کیا تھا، انہوں نے دور اول کے مشہور مؤرخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مقوقس کے نام جو مکتوب نبوی روانہ کیا گیا تھا اس کو صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے تحریر فرمایا تھا اس طرح خوش قسمتی سے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے دست مبارک کی لکھی ہوئی یہ تحریر ہم تک پہنچ گئی ہے۔ (۱۷)

”بسم الله الرحمن الرحيم من محمد ابن عبد الله و رسوله الى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدى اما بعد فانى ادعوك بدعاية السلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم القبط يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون“

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے قبط کے عظیم مقوقس کی جانب، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہیں اسلام کے کلمہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ پھر اگر تو نے روگردانی کی تو تجھ پر تمام قبط (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ ہو گا۔ اے اہل کتاب تم ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا ربّ نہ بنائیں پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"۔

نامہ مبارک بنام ہرقل، قیصر روم:

حضور اکرم (ﷺ) کا وہ مکتوب مبارک جو آپ (ﷺ) نے روم کے شہنشاہ ہرقل کے نام ارسال فرمایا تھا:

☆1976ء میں دستیاب ہوا۔ اسلامی تاریخ کے اس نادر تحفے کو متحدہ عرب امارات کے سربراہ شیخ زاید النہیان (مرحوم) نے لاکھوں روپے دے کر لندن سے اپنے ملک منتقل کر لیا تھا۔ انہوں نے اس مکتوب مبارک کے حقیقی اور اصلی ہونے کی تحقیق کے لئے دنیا بھر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی تھیں، جنہوں نے پوری چھان بین کے بعد اس کی صحت اور اصلیت کا اعلان کیا تھا اور اس کے بعد ہی ہماری تاریخ کے اس عظیم ورثے کو شیخ زاید نے لاکھوں روپے کے عوض خرید لیا تھا۔ (۱۸)

تاریخی حوالوں کے مطابق رسول (ﷺ) کا یہ خط اردن کے ہاشمی سلطنت کے بانی اور سابق سربراہ شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ کی ملکیت تھا۔ شاہ عبداللہ نے اس کو اپنی آخری بیوی ملکہ نجدہ کو مہر کے طور پر دیا تھا۔ ملکہ نجدہ تین سال قبل عمان سے ترک وطن کر کے ہند چلی گئی تھیں اور یہ خط سوئزر لینڈ کے ایک بنک میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ اسی خط کے اصل ہونے کی تصدیق برٹش میوزیم کے ماہرین نے کی ہے اور اس کے اصل اور قدیم ہونے کی تصدیق اس کھال سے ہی ہوتی ہے جس پر یہ تحریر کیا گیا تھا۔ (۱۹)

"بسم الله الرحمن الرحيم- من محمد ابن عبد الله و رسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى- اما بعد فانى ادعوك بدعاية السلام اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت

فعليك اثم الاريسيين ويا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون"

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے روم کے عظیم ہرقل کی جانب، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہیں اسلام کے کلمہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہوگے اور اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ پھر اگر تو نے روگردانی کی تو تیری تمام جاہل رعایا (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا اور اے اہل کتاب تم ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"۔

نامہ مبارک بنام منذر بن ساوی حاکم بحرین:

☆بحرین کے ایرانی گورنر منذر بن ساوی کے نام مکتوب نبوی استنبول کے تبرکات میں محفوظ ہے اسے عثمانی خلیفہ سلطان عبدالمجید خان اول نے کسی فرانسیسی سیاح سے خریدا تھا۔ فرانسیسی سیاح نے 1885ء میں اسے ایک مصری راہب سے حاصل کیا تھا۔ یہ ایک باریک سیاہی مائل بھوری کھال پر مرقوم ہے۔(۲۰)

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں: "اتفاق سے نامہ مبارک بنام مقوقس کی طرح اس کو ترکی کے سلطان عبدالمجید خان نے فرانسیسی سیاح کو ایک بڑی قیمت دے کر خرید لیا اور قسطنطنیہ میں دوسرے تبرکات نبوی (ﷺ) کے ساتھ رکھوایا۔ منذر اور مقوقس کے نام خطوط کا انداز تحریر ایک دوسرے سے بڑی حد تک ملتا ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ مکتوب بھی صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) ہی کے دست مبارک سے لکھا ہوا ہو۔(۲۱)

"بسم الله الرحمن الرحيم۔ من محمد رسول الله الى المنذر بن ساوى سلام عليك فانى احمد الله اليك الذى لا اله غيره واشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده و رسوله۔ اما بعد فانى اذكرك الله عزوجل فانه من ينصح فانما ينصح و انه من يطع رسلى و يتبع امرهم فقد اطاعنى و من نصح لهم فقد نصح لى و ان رسلى فقد اثنو عليك خيرا و انى قد شفعتك فى قومك فاترك للمسلمين ما اسلموا

علیہ وعفوت من اھل الذنوب فاقبل منھم وانك مھما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن تام علی یھودیۃ او مجوسیۃ فعلیہ جزیۃ“

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، سلام ہو تجھ پر میں تجھ سے اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اما بعد میں تجھے اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے فائدے کیلئے کرتا ہے اور جس نے میرے قاصدوں کی پیروی کی اور ان کی ہدایت پر عمل کیا تو اس نے بلاشبہ میری پیروی کی اور جس نے اس کی خیر خواہی کی اس نے گویا میری خیر خواہی کی اور میرے قاصدوں نے آکر تمہاری توصیف کی اور میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کی پس وہ املاک مسلمانوں کے پاس چھوڑ دو جن پر وہ اسلام لانے کے وقت قابض تھے اور گناہوں سے درگزر کرتا ہوں۔ لہٰذا تم بھی ان سے (توبہ) قبول کر لو اور جب تک تم اصلاح احوال کرتے رہو گے تو ہم تمہیں ہرگز معزول نہیں کریں گے اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت (آتش پرستی) پر قائم رہنا چاہے اس پر جزیہ ہے“۔

معاہدات نبوی (ﷺ):

مذکورہ بالا خطوط ومکتوبات اور معاہدات کے علاوہ بھی درج ذیل مکتوبات ومعاہدات نبوی (ﷺ) کا ذکر کتب سیرت وتواریخ میں ملتا ہے۔

صحیفہ عمرو بن حزم:

”10ھ میں جب یمن کا علاقہ نجران فتح ہوا تو رسول اللہ (ﷺ) نے عمرو بن حزم کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں ایک عہد نامہ تحریر فرما دیا جس میں آپ نے شرائع و فرائض وحدودِ اسلام کی تعلیم دی تھی“۔(۲۲)

قبیلہ جُہینہ کے نام تحریر:

”عبد اللہ بن عکیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کی ایک تحریر (ہمارے قبیلہ جہینہ) کو پہنچی“۔(۲۳)

اہل جرش کے نام خط:

"نبی کریم (ﷺ) نے ایک نامہ مبارک اہل جرش کو بھیجا تھا۔ جس میں کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ کے متعلق حکم بیان فرمایا گیا تھا"۔ (۲۴)

"حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) نے یمن سے آنحضرت (ﷺ) سے لکھ کر دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوۃ ہے؟ آپ (ﷺ) نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوۃ نہیں"۔ (۲۵)

عہدِ نبوی (ﷺ) کے خطوط :

ڈاکٹر حمید اللہ کا بیان ہے کہ: "عہدِ نبوی کے کوئی پونے تین سو مکتوب یکجا کیے جا چکے ہیں" (۲۶)

نومسلم وفود کے لیے صحائف:

"جب حضرت وائل بن حجر نے (مدینہ سے) اپنے وطن لوٹنے کے ارادے پر رسول اللہ (ﷺ) کے حضور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میری قوم پر میری سیادت کا فرمان لکھوا دیجئے" رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے تین ایسے فرمان لکھوا کر وائل کے سپرد فرمائے"۔ (۲۸)

آپ نے مندرجہ ذیل وفود کو بھی اسلامی احکام پر مشتمل صحیفے الگ الگ لکھوا کر عنایت فرمائے:

"وفد قبیلہ خثعم، وفد الرياويّين، وفد ثمالة والجدان"

"ایک مرتبہ کسی لشکر کے سردار کو حضور نے ایک خط دیا اور فرمادیا کہ جب تک تو فلاں فلاں مقام پر نہ پہنچ جائے اس کو نہ پڑھنا، وہ سردار جب مقامِ مقررہ پر پہنچا تو لوگوں کے سامنے حضور کا خط پڑھا اور سب کو اس کی اطلاع کر دی"۔ (۲۹)

تحریری معاہدے:

"ہجرت کے فوراً بعد مختلف قبائل عرب اور دوسری اَقوام سے آپ (ﷺ) کے معاہدات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "الوثائق السیاسیۃ" میں ایسے تحریری معاہدات کی بہت بڑی تعداد جمع کی ہے۔ "دستورِ مملکت" جو ہجرت کے صرف پانچ ماہ بعد آپ نے نافذ فرمایا تھا، وہ بھی معاہدات ہی کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اسی طرح چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا گیا۔ اس

معاہدے کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے تحریر فرمایا تھا۔ اس کی ایک نقل قریش نے لے لی اور ایک آقا (ﷺ) نے اپنے پاس رکھی"۔(۳۰)

جاگیروں کے ملکیت نامے:

رسول اللہ (ﷺ) نے بہت سے لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائیں اور ان کے ملکیت نامے بھی تحریر کروا کے دیئے۔ مثلاً حضرت زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہ) کو ایک بڑی جاگیر عطا فرماتے وقت یہ دستاویز لکھوا کر دی:

"یہ دستاویز محمد رسول اللہ (ﷺ) نے زبیر کو دی ہے ان کو سوارق پورا کا پورا بالائی حصے تک موضع مُورع سے موضع موقت تک دیا ہے، اس کے مقابلے میں کوئی اپنا حق اس میں نہ جتائے"۔(۳۱)

اَمان نامے:

آپ (ﷺ) نے بہت سے افراد اور خاندانوں کو امان نامے لکھوا کر عطا فرمائے۔ ان کا ذکر طبقاتِ ابن سعد میں بھی ملتا ہے اور "البدایہ و النہایہ" میں ہے کہ آپ (ﷺ) نے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ سے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر اَمان نامہ سراقہ بن مالک کو لکھوا دیا۔

بیع نامے:

رسول اللہ (ﷺ) قیمتی اشیاء کی خرید و فروخت کے وقت ان کی دستاویز بھی لکھوایا کرتے تھے۔ عبد المجید بن وہب روایت کرتے ہیں کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ (ﷺ) نے میرے لیے تحریر کرائی تھی۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی، اس میں لکھا تھا: یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ (ﷺ) سے خریداری کی۔

یہ شرف امتِ مسلمہ کو حاصل ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد (ﷺ) کے ارشاداتِ گرامی، افعال، خط و کتابت باقاعدہ روایات کے ساتھ محفوظ موجود ہیں۔ مکاتیبِ نبوی (ﷺ) کے ہر لفظ سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کی کامل رہنمائی ملتی ہے۔ سرورِ عالم (ﷺ) کے خطوط میں طوالت، تکلف

وتصنع اور وضع و قطع کی بجائے لطافت، سادگی، حقیقت پسندی اور ایجاز و اختصار کا پہلو نمایاں ہے۔ ان خطوط و معاہدات سے جہاں فقہی، قانونی، مذاہب عالم سے ہم آہنگی اور اسلامی ریاست کے دوسری ریاستوں سے تعلقات عامہ کے تعین میں مدد ملتی ہے وہیں اس وقت کے تاریخی عوامل اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنائی جانے والی مختلف حکمت عملی کا پتہ چلتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اختصار کے پیشِ نظر مکاتیب و معاہدات کے تمام جہات و مضمرات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ آقا پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جامع حیاتِ طیبہ تقاضا کرتی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت مبارکہ کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے خطوط میں موجود افکار و تصورات پر تحقیقی اور توضیحی مطالعہ کیا جائے اور ادبی و علمی مجلات شائع کیے جائیں۔ عصرِ حاضر کے معاشرتی تقاضوں کے پیرائے میں ان سے استفادہ کیا جائے۔ ان خطوط و معاہدات کے فرہنگیں، اشاریے اور تشریحات پر مبنی تحقیقی مقالوں کو عام کیا جائے۔ تحقیق کی دنیا میں سیرتِ طیبہ ہم سے اسی بات کی متقاضی ہے۔

حوالہ جات وتعلیقات

۱۔الانبیاء:107

۲۔کاندھلوی،ادریس مولانا سیرت المصطفی:ج:2،ص:409

۳۔طبقات ابن سعد،ابن سعد،ج:2،۲ص:29

۴۔الجامع الصحیح البخاری،ج:1،ص:13

۵۔طبری،ابن جریر،تاریخ الامم والملوک،ج:3،ص:84

۶۔عبدالحق محدث دہلوی،مدارج النبوت،ج:2،ص:294

۷۔ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،الہدایہ والنہایہ،ج:4،ص:262

۸۔رضوی،محبوب،مولانا،مکتوبات نبوی،طبع پاکستان،ص:42

۹۔ایضاً۔۔۔ص:305

۱۰۔ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،الہدایہ والنہایہ،ج:4،ص:262

۱۱۔محمد حمید اللہ،رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی،ص:401

۱۲۔محمد یونس،رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سفارتی نظام،ص392

۱۳۔محمد حمید اللہ،رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی،ص:233

۱۴۔محمد حمید اللہ،رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی،ص:244

۱۵۔محمد یونس،رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سفارتی نظام،ص415

۱۶۔محمد حمید اللہ،رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی،ص:152۔153

۱۷۔رضوی،مکتوبات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)،ص:141

۱۸۔محمد یونس،رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سفارتی نظام،ص:376

۱۹۔محمد یونس،رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سفارتی نظام،ص:377۔378

۲۰۔محمد ریاض،حضرت رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکاتب،ص:119

۲۱۔رضوی،مکتوبات نبوی،ص:164

۲۲۔طبقات ابن سعد،ابن سعد،ج:2،ص:39

۲۳۔مشکوۃ المصابیح،خطیب بغدادی،ج:1،ص:145

۲۴۔الجامع الصحیح لمسلم،:5،ص:240

۲۵۔خطباتِ مدراس، سید سلیمان ندوی، ص:51

۲۶۔رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص:311

۲۸۔الوثائق السیاسیۃ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص:142۔144

۲۹۔طبقات ابن سعد، ابن سعد، ج:2، ص:121۔130

۳۰۔رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص:311

۳۱۔رسول اکرم (ﷺ) کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص:311

سیرتِ مصطفی ﷺ ہر آن ہے انقلاب

از محمد شفیق اعوان
(محلہ منشیاں گاؤں، ضلع اٹک)

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر "کراچی" پر، اللہ تعالی کا فضل و کرم ہوا ہے کہ اپنے ایک بندے اوراس کے معاونین کو یہ توفیق ملی ہے کہ انہوں نے سیرتِ سرورِعالم ﷺ کا ترجمان "ششمائی شاہد انٹرنیشنل" شائع کرنا شروع کیا ہے۔جو سیرتِ طیبہ ﷺ پر علمی و تحقیقی مجلہ ہے۔اس کی بنیادی معلومات درج ذیل ہیں:

ششماہی "شاھد انٹرنیشنل" کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان، جلد۶، شمارہ ۱۲ بمطابق جولائی تا دسمبر ۲۰۲۰ء، مؤسس و مدیر: پروفیسر ڈاکٹر دلاور خان صاحب، پرنسپل، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ایجوکیشن سٹی ملیر کراچی، ضخامت۔اردو صفحات ۱۵۳، انگریزی صفحات ۴۷، زرتعاون فی شمارہ: ۳۰۰ روپے، ناشر:۔شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن، بلاک نمبر1، گلستان جوہر، سی ۳/ ۳۲۷ کراچی۔فون نمبر ۰۳۲۲۲۴۱۳۲۶۷، ای میل۔shahidrf322@gmail.com

شاہد انٹرنیشنل سیرت اطہر کے موضوع پر ایک مخصوص مجلہ ہے۔جو بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع کیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور نبی آں حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر مشتمل علمی و تحقیقی مقالات شامل کیے جاتے ہیں۔

یہ سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے اپنی نوعیت کا مثالی مجلہ ہے۔ اس میں سیرت طیبہ پر اچھوتے اور منفرد انداز کی علمی و تحقیقی کاوشوں اور مقالات پر مشتمل لوازمہ پیش کیا گیا ہے۔جو دعوت فکر و تحقیق دے رہے ہیں۔سیرت طیبہ ﷺ ہی ایسا موضوع ہے۔جس میں ہمارے لیے ہدایت و رہنمائی ہے، اس کا تعلق قول و فعل سے ہو، عقائد و معاملات سے ہو، انفرادی و اجتماعی زندگی سے ہو۔

سیرت طیبہ ﷺ سے بے نیاز رہ کر انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیابی و کامرانی صرف آں حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی میں ہے۔ حضرت محمد ﷺ کو رسول اور نبی ماننے مطلب ہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی اور اطاعت کی جائے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کامل اور اکمل بنایا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْراً (۲۱)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ

ترجمہ: "بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔" سُورہ اَحزَاب آیت نمبر ۲۱۔[ا]

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن کے تحت اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر، علمی و تحقیقی مجلہ ششماہی "شاہد انٹرنیشنل" کا انیسواں شمارہ منظرِ عام آچکا ہے۔ جس میں سیرتِ رسول ﷺ کے مختلف گوشوں پر گراں قدر اور معلوماتی مقالات شامل کیے گئے۔ یہ مجلہ محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی سیرت (گفتار و کردار) تعلیماتِ نبوی ﷺ کا نقیب و ترجمان ہے۔

مجلہ "شاہد انٹرنیشنل" برصغیر ہند وسندھ میں اپنی نوعیت کا منفرد تحقیقی مجلہ ہے جو کہ صرف سیرت طیبہ ﷺ کے مختلف گوشوں کا عصر حاضر کے تناظر میں احاطہ کرتا ہے۔ اس مجلہ کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ آں حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں موجودہ مسائل کا حل پیش کرنا ہے تاکہ انسان اس پر عمل کر کے سکھ کا سانس لے اور امن وسلامتی سے اپنی زندگی گزار سکے۔

کراچی ہی سے سیرتِ رسول ﷺ کے لیے مخصوص، ایک اور ششماہی مجلہ السیرۃ العالمی کراچی مدیر ڈاکٹر سید عزیز الرحمن کے نام سے شائع ہو رہا ہے جس کے اب تک چالیس شمارے آچکے ہیں۔ یہ مجلہ بھی خالص سیرتِ رسول ﷺ ہی کو علمی و تحقیقی انداز سے پیش کرتا ہے۔ جس میں اب تک بہت ہی قیمتی مقالات شائع کیے گئے، یہ مجلہ مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

مجلہ شاہد انٹرنیشنل کے آنے سے بہت ہی خوشی ہوئی۔ اللہ کرے "پاکستان کے ہر بڑے شہر سے کم از کم ایک ایک مجلہ جو سیرت ﷺ کے لیے ہی مخصوص ہو" شائع ہو۔ یہی محبت رسول ﷺ کا ایک

تقاضا ہے تا کہ عاشقین نبی ﷺ سیرت کو جانیں اور اپنے قول و فعل سے اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی وہ عاشق رسول ﷺ ہیں۔

محبت رسول ﷺ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ ہماری تحریر و تقریر، گفتار کردار میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا رہے، یہ مسلمان پر فرض ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے کر دے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ جس بات کو حکم دیں وہ بات کرے اور جس سے منع فرمائیں اس سے اپنے آپ کو روک لیں، ختم نبوت کا عقیدہ بھی یہی دعوتِ فکر دیتا ہے، کہ ہم اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی میں دے دیں، باقی ہر قسم کی غلامی سے نجات حاصل کر لیں۔ دورنگی اور منافقت چھوڑ دیں۔ وہ بات کریں جس پر ہمارا عمل بھی گواہی دے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۲) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۳)

سُوْرَةُ الصَّفِّ

ترجمہ: اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔" سورۃ الصف آیت نمبر ۳،۲۔

مجلہ شاہد انٹرنیشنل کے بارہویں شمارے میں درج ذیل مقالات اُردو اور انگریزی کے شامل کیے گئے ہیں:

1۔ زیر نظر شمارے میں "یکساں قومی نصاب تعلیم برائے اسلامیات اور سیرت النبی ﷺ" کے عنوان سے مجلہ کے مؤسس و مدیر پروفیسر ڈاکٹر دلاور خان صاحب کا اداریہ ہے۔ ہمارے قومی نصاب تعلیم میں شامل اسلامیات اور سیرت النبی ﷺ کے جائزے اور عملی اطلاق پر مبنی ایک فکر انگیز تحریر ہے۔ 2:۔ "سیرت نگاری میں صحت و استناد کے جدید مباحث" از:۔ ڈاکٹر حافظ مبشر حسین صاحب 3:۔ "شمائل و خصائل نبوی ﷺ ہندوؤں اور سکھوں کے ادب سیرت کا مطالعہ" از:۔ حافظ محمد نعیم 4:۔ "پاکستان میں بچوں کے لیے سیرت نگاری" از:۔ اُم سلمٰی، ڈاکٹر طاہرہ بشارت 5:۔ "بلوچستان میں پاکستانی زبانوں، براہوئی، بلوچی اور پشتو میں تذکرہ سیرت" از:۔ پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق جاوید 6:۔ "اردو سیرت نگاری کا خصوصی جائزہ" از:۔ ڈاکٹر شاکر حسین خان۔

7: Raba in Islamic Banking & its Contemporary Applications: in the Seerah of Muhammad(ﷺ),
By:.Mr.Muhammad Haseeb Khan

8: Foundations of Social Stability in perspective of Seerah: A research Study,
By: Muhammad Naeem, Muhammad Zubair

9: Na'at in English Language: Relevance & Significance for the Pakistan English Curriculum & Culture,
By: Dr. Saleem Ullah Jundran

بلاشبہ ششماہی "شاہد انٹرنیشنل" سیرت النبی ﷺ پر اپنی نوعیت کا ایک منفرد علمی و ادبی اور تحقیقی مجلہ ہے۔ جو حقیقی ادب اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا ترجمان ہے۔

دنیا میں واحد دینِ اسلام ہی ہے جو اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا کرتا ہے، کہ ماننا ہے تو اپنے ماننے کا ثبوت اپنے قول و عمل سے پیش کرو۔ دین اسلام کی بنیادی بات یہ ہے کہ یہ محض تعلیماتِ واعظ و نصیحت تک محدود نہیں بلکہ اپنی تعلیمات کے عملی نمونہ اور عملی مظاہرہ کا حامل بھی ہے۔ اللہ تعالی نے کتاب اور معلم یعنی قرآن مجید اور آنحضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) عطا فرمائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جو جو تعلیمات دی ہے۔ آپ ﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ چھوٹی سی چھوٹی بات اور بڑی سے بڑی بات، جو کچھ انسان کی ضرورت ہے، بتادی اور عملی نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس سے بہتر نمونہ عمل دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ ہی قیامت تک انسانوں اور جنوں کے ہادی، راہبر ورہنما ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا آخری رسول و نبی بنا کر بھیجا ہے، آپ کے بعد کسی نبی و رسول نے نہیں آنا ہے، جو یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور کاذب ہے۔ پہلے نبی اور رسول (حضرت آدم ؑ) سے لے کر آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ تک دین "اسلام" ہے۔ اللہ کے حکم سے نبی اور رسول اطاعت و پیروی کے لیے آتے تھے۔ نبی اور رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ نبی اور رسول کی تعلیمات کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں یہ علم صرف اللہ نے اپنے نبی اور رسول کے ذریعے دیا تھا۔ جو انسان یہ کہتا ہے کہ ہماری لیے قرآن کافی ہے آحادیث نبوی ﷺ کوئی ضرورت نہیں وہ گمراہی کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ‌ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا (۸۰) سُوۡرَةُ النِّسَآءِ

ترجمہ: جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر۔" سورہ النساء آیت نمبر ۸۰،۳

سیّدِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے:

حضور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: "بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن) اور بہترین سیرت (آں حضرت) محمد ﷺ کی سیرت ہے۔ (جس کی پیروی کی جانی چاہیے) مسلم، جابر۔ ۴

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "ایمان کا مزہ چکھا اس شخص نے جو اللہ کو ربّ ماننے اور اسلام کو اپنا دین ماننے اور محمد ﷺ کو اپنا رسول تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا۔" بخاری و مسلم۔، عباس۔ ۵

مسلمانوں میں سے بعض لوگ اس دعوے کے ساتھ میدان میں آئے ہیں کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ اگر قرآن ہی کافی ہوتا تو اللہ اپنی قدرت سے ہر انسان کو اپنی کتاب (قرآن) دے دیتا اور اسے سکھا دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں سیرتِ رسول ﷺ کے بغیر کوئی انسان قرآن مجید کو نہیں سمجھ سکتا اس کا دعویٰ ایمان باطل ہے اور وہ انسان جھوٹا ہے۔ اللہ خالق و مالک ربّ اور الٰہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے جو چاہے کرے، کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ لیکن خالق اپنی مخلوق کے مزاج کو سمجھتا ہے۔ انسان کے مزاج اور ضرورت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے الکتاب کے ساتھ اپنا سب سے پیارا اور محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو آخری رسول و نبی منتخب فرمایا اور انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا، جو انہیں الکتاب کی آیات سناتا رہا اور اس کی تفہیم و تشریح بیان کرتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ عمل کر کے دکھاتا رہا۔ جو اب قرآن مجید اور آحادیثِ نبوی ﷺ کی صورت میں محفوظ و موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (۱۶۴) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ

ترجمہ: "بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت اگرچہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔" سورہ آلِ عمران آیت نمبر ۱۶۴۔ ۶

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةُ

ترجمہ: ”وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا اُمیّوں میں ایک رسول انہی میں سے جو پڑھ کر سُناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا انہیں کتاب اور حکمت، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔“ سورہ جُمعہ آیت نمبر ۲۔ ے

درج بالا آیات میں وَالْحِکْمَۃ مراد حکمت و دانائی کی باتیں ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جن پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اسے گھر والوں اور صحابہ کرامؓ کو سناتے، اس کی تشریح بیان کرتے، اس کی وضاحت سمجھاتے اور اپنے عمل سے نمونہ پیش فرماتے۔ جو اب کتبِ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود اور محفوظ ہے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی درج بالا آیت کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

”۔۔اب چوتھی مرتبہ انہیں اِس سورہ میں دُہرایا گیا ہے جس سے مقصود یہودیوں کو یہ بتانا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تمہاری آنکھوں کے سامنے جو کام کر رہے ہیں وہ صریحاً ایک رسول کا کام ہے۔ وہ اللہ کی آیات سنا رہے ہیں جن کی زبان، مضامین، اندازِ بیان، ہر چیز اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ فی الواقع وہ اللہ ہی کی آیات ہیں۔ وہ لوگوں کی زندگیاں سنوار رہے ہیں، اُن کے اخلاق اور عادات اور معاملات کو ہر طرح کی گندگیوں سے پاک کر رہے ہیں، اور ان کو اعلیٰ درجے کے اخلاقی فضائل سے آراستہ کر رہے ہیں۔ یہ وہی کام ہے جو اس سے پہلے تمام انبیاءؑ کرتے رہے ہیں۔ پھر وہ صرف آیات ہی سنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اپنے قول اور عمل سے اور اپنی زندگی کے نمونے سے لوگوں کو کتابِ الٰہی کا منشا سمجھا رہے ہیں اور اُن کو اُس حکمت و دانائی کی تعلیم دے رہے ہیں جو انبیاءؑ کے سوا آج تک کسی نہیں دی ہے۔ یہی سیرت اور کردار اور کام ہی تو انبیاءؑ کا وہ نمایاں وصف ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ پھر کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ جس کا رسولِ برحق ہونا اُس کے کارناموں سے علانیہ ثابت ہو رہا ہے اس کو ماننے سے تم نے صرف اس لیے انکار کر دیا کہ اللہ نے اسے تمہاری قوم کے بجائے اُس قوم میں سے اٹھایا جسے تم اُمّی کہتے ہو۔“ ۸

رہبر انسانیت محمد رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، جس کا مفہوم ہے:

''حضرت عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ارادے اور خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جو مَیں (محمد ﷺ) لے کر آیا ہوں'' مشکوٰۃ۔ ۹

اللہ نے سیرتِ نبوی ﷺ کو اُمّتِ مُسلمہ اور تمام انسانوں کے لیے نمونۂ کامل قرار دیا ہے۔ انسان نمونہ دیکھ کر جلدی سیکھتا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بھیج کر اسلام کی تعلیمات کے عملی نمونہ ہونے کی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کا اسوہ (قول و فعل) ہی قرآن کی تشریح و تفصیل اور وضاحت ہے۔ تاریخِ انسانی میں یہ امتیاز صرف آنحضور نبی اکرم محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انفرادی، گھریلو، معاشرتی اور قومی، سیاسی اور عسکری زندگی کا ایک ایک لمحہ کتابوں کی صورت میں محفوظ ہے جو ایمان والوں کے لئے مینارہ نور ہے۔ اسوۂ حسنہ ﷺ سے ہٹ کر یا چھوڑ کر، انسان ناکام و نامراد رہے گا۔ بے شک کامیابی و کامرانی صرف اور صرف اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر چلنے میں ہے۔

دنیا کی ہر زبان میں اور نظم و نثر میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر لکھا گیا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، آپ ﷺ کی شخصیت پر جامع اور مفصل کام کِیا گیا ہے، تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

دینِ اسلام ہی تمام انبیاءؑ و رسلؑ کا دین تھا۔ اسلام کا آخری ایڈیشن قرآن مبین ہے اور آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قیامت تک انسان کو صرف آپ ﷺ پر ایمان لا کر کامیاب و کامران ہونا ہے، اب ہدایت و رہنمائی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ ابتدائی دور کے برعکس آج تعداد اور مال و زر میں زیادہ ہونے کے باوجود پستی اور ذلّت کا شکار ہے۔ مِلّتِ اسلامیہ کو احیاء، اصلاح اور حصول غلبہ و تمکن کا چیلنج درپیش ہے۔ اس کا ایک ہی حل ہے۔ کہ مسلمان اپنے ایمان کی تجدید کریں، اپنے ایمان لانے کی قولی اور عملی شہادت دیں کہ ہم واقعی سچے ایمان لانے والوں سے ہیں۔ بے شک مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا دارومدار سیرت ﷺ پر عمل کرنے میں ہے۔

آنحضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انسان بحیثیت بڑا آدمی، اعلی انسان اور دانشور مانتے ہیں لیکن آپ کو بحیثیت آخری نبی و رسول نہیں مانتے۔ اب مسلمانوں میں بھی یہ بیماری آ گئی

ہے۔ کہ وہ آپ ﷺ کو زبانی کلامی اللہ کا نبی اور رسول مانتے ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور احکامات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، کفر کے غلبے پر اور کافروں کے قانون پہ راضی ہیں۔اس کے ثبوت میں مسلمان ملکوں کو حالات و واقعات جان سکتے ہیں۔اب تو ایک طبقہ جو اپنے آپ کو لبرل سیکولر کہتے ہیں خدا اور رسول ﷺ سے بے زار ہیں لیکن اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں اور وہی صاحبِ اقتدار بھی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بے کار رجحان بڑھتا جا رہا ہے، منافق ہونا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ جبکہ دینِ اسلام میں دورنگی و منافقت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہم مسلمانوں میں رسولِ اکرم حضرت محمد ﷺ سے عقیدت و محبت وافر مقدار میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے آمین۔دورِ حاضر میں منافقین کی پھلائی ہوئی باتوں کا چلن عام ہوتا جا رہا ہے، کہ ہم مسلمان جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیاں کرتے رہیں، آپ ﷺ کے حکموں کی سرِعام اپنے قول سے حمایت کریں اور عمل اس کے خلاف کریں، پھر بھی مسلمان ہیں اور جنت میں جائیں گے۔ حضور ﷺ ہماری شفاعت کریں گے۔ہم گفتار و کردار سے کفر کے حق ہونے کا ثبوت دیں اور اجر و ثواب اسلام پر عمل کا پائیں، یہ کیسے ہو سکتا۔اگر منافقین والا ایمان قابلِ قبول ہوتا تو کفارِ مکہ و مدینہ سب ایمان لے آتے۔لیکن وہ جانتے تھے کہ ایسے ایمان کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں کوئی قدر قیمت نہیں، بلکہ اجر و ثواب تو دُور کی بات ایسا ایمان والا سخت سزا کا مستحق ہو گا۔

مِلّتِ کفر کے ہر طبقے نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام اور نبیٔ محترم حضرت محمد ﷺ پر نظم و نثر ''تحریریں'' لکھی ہیں جو نامکمل ہیں۔اگر یہ لوگ حضور ﷺ کو سچا رسول جانتے اور مانتے ہیں تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔دراصل یہ چند تحریریں جو ان کے اپنے مطلب کی ہیں لکھ کر مسلمانوں میں اثر و نفوذ کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان دھوکہ کھا سکیں۔اس میں مستشرقین، مستغربین، منحرفین، سیکولر اور لبرل حضرات اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔یہ حضرات نعت اور مضمون لکھتے ہوئے ان چیزوں اور مقامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں جن کی نسبت آنحضور ﷺ سے ہے۔بے شک ان چیزوں اور مقامات کا رسول ﷺ سے نسبت ہونا سعادت و برکت کے لائق ہے۔لیکن یہ اصل سیرت کا متبادل تو نہیں ہو سکتی۔ان کو اس طرح تکرار کے ساتھ بیان کرنا کہ آپ ﷺ کی سیرت دب کر رہ جائے بلکہ نعت و نثر میں ان ہی کا تذکرہ رہ جائے اور آپ ﷺ کی گفتار و کردار کا کوئی تذکرہ نہ ہو، اگر ہو تو برائے

نام، جبکہ ان چیزوں کا برائے نام ذکر ہونا چاہیے، غالب حصہ آپ ﷺ کی سیرت کا ہونا چاہیے، آپ ﷺ کی تعلیمات و احکامات کا ہونا چاہیے۔ لیکن منافقین اور کافر مسلسل یہ کام کر رہے ہیں اور اس کا چلن عام ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو اس مہم "سیرت ﷺ کو مسخ کرنا" کے خلاف جدوجہد کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی مکمل سیرت کلام اللہ اور کلامِ نبوت ﷺ کا ذکرِ کثیر نظم و نثر میں کریں۔ تاکہ مسلمانوں کی معلومات میں اضافہ ہو اور عمل کرنا آسان ہو۔ ختمِ نبوت کے عقیدے کا مقصد بھی یہ ہے کہ ہم اپنے ہر عمل اور فعل میں دیکھیں کہ آنحضور ﷺ نے کیا حکم دیا ہے۔ یہی ایمان کا حقیقی مقصد ہے۔

مِلّتِ کفر اپنی کوشش میں مصروف ہے کہ کسی طرح اسلام کے بنیادی مآخذ قرآن اور اسوۂ حسنہ ﷺ مٹ جائے لیکن وہ اپنے ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ (٨) سُوۡرَةُ الصَّفِّ

ترجمہ: "یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔" سورہ صفّ آیت نمبر ۸۔ ۱۰

اس لیے دورِ حاضر میں سیرت ﷺ کی تعلیم دینے کے اشد ضرورت ہے کہ آنحضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قولاً اور عملاً اللہ تعالیٰ کا آخری رسول اور آخری نبی مانیں۔ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام کیا جائے۔ یہی کام شاہد انٹرنیشنل انجام دے رہا ہے۔

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے ایک ہی دستور ہے اور وہ دستور آپ ﷺ کی سیرت۔ لہٰذا اس دور میں سیرت نگاری کا تقاضہ یہ ہے کہ سیرت کو بیان کرتے ہوئے، صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے وقت صرف حالات و واقعات کو بیان کر دینا کافی نہیں کیا، بلکہ سیرت کو اس طرح پیش کیا جائے جیسے ہم اُسی ماحول میں موجود ہیں۔ اس کے چند نمونے کتب کی صورت میں منظر عام آئے ہیں مثلاً سیرت محسن انسانیت ﷺ از نعیم صدیقی، حیات طیبہ ﷺ از ابو سلیم محمد عبد الحی، سیرتِ احمد مجتبی ﷺ از شاہ مصباح الدین شکیل تین ضخیم جلدیں،

محترم نعیم صدیقیؒ نے اپنی کتاب "محسنِ انسانیت ﷺ، اشاعت اوّل جنوری ۱۹۶۰ء" کے آخر میں "کام ابھی باقی ہے" کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں جو دو تین جلدوں میں مرتب کیا جاتا، بوجہ نہ ہو سکا، وہ خاکہ درج ذیل ہے۔ سیرت نگاروں سے گزارش ہے وہ اس خاکے میں رنگ بھرنے کی کوشش کریں۔

(بقیہ مراحل: "کام جو ہو چکا، یہ اس سے بہت کم ہے کہ مجوزہ خاکہ کے مطابق کرنا باقی ہے۔ غالباً دو تین جلدوں تک پھیلے گا۔ اس وقت در حقیقت ایک ہی طویل مبحث پیش کیا ہے جو اپنی جگہ مفصّل اس لحاظ سے تو ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کی روداد کشمکش بڑی حد تک آگئی ہے مگر یہ دوسرے پہلوؤں سے تشنہ بھی ہے کیونکہ سیرتِ پاک کے بہت سے اہم گوشوں کو سرے سے اس میں چھیڑا ہی نہیں گیا۔ اس کے سلسلے میں ایک خاکہ سامنے ہے۔ مجوزہ خاکہ پر میں تو کام نہیں کر سکا، کچھ نئے لوگ شرف حاصل کریں گے۔ خاکہ حسب ذیل ہے:

۱۔ اس جغرافیائی و تمدّنی ماحول کی عکاسی، جس میں حضور ﷺ کی بعثت ہوئی۔ ۲۔ حضور ﷺ کے پیغام اور نصب العین کی وضاحت ۔۔۔ اس حقیقت کی تفصیل کہ آپ ﷺ انسانی زندگی میں کیا بنیادی تبدیلیاں کرنے اٹھے تھے۔ نیز حضور ﷺ کی دعوت کی نوعیت اور دائرہ کار کیا تھا؟ ۳۔ حضور ﷺ کی قائدانہ بصیرت اور سیاسی حکمت کا مطالعہ۔ ۴۔ حضور ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں کیسا انسان تیار ہوا۔ ۵۔ خواتین نے کس کس طرح حضور ﷺ کی جدوجہد میں تعاون کیا۔ ۶۔ ایک مستقل جلد میں حضور ﷺ کے پورے تعمیری کارنامہ کی روداد اس انداز میں پیش کرنے کا پروگرام بنے کہ دورِ حاضر میں اس سے عملی رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ زندگی کے ایک ایک شعبے کو جن نئے اصولوں پر، جس حکمت اور تدریج سے حضور ﷺ نے استوار کیا۔ اسے متعدد مقالات میں لایا جائے۔ مثلاً الہامی حکمت کی اشاعت۔ معاشرے کے بالغوں اور نئی نسلوں کے لیے نظامِ تعلیم کی تاسیس، اخلاقِ عامہ کی تعمیر۔ معاشی اصلاح و ترقی، دفاعی تنظیم اور اس کے استحکامات۔ سیاسی ہیّت کی تشکیلِ نو، معاشرت اور ثقافت کی تجدید۔ اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ۔ صفِ قیادت کی تربیّت، بین الاقوامی تعلقات کی استواری اور دوسرے مختلف تعمیری اقدامات کو ان کی اصولی روح اور ان کی عملی تدابیر کے ساتھ کھول کر بیان کیا جائے۔

۷۔ حضور ﷺ کی اسلامی حکومت کی دفاعی اور فوجی کاروائیوں کی تفصیلی روداد۔ ۸۔ ضرورت ہے کہ ایک مستقل جلد میں معترضین کے اعتراضات پر بحث کی جائے۔ نیز واقعات اور شخصیّتوں اور اہم

تاریخوں کے تعیّن میں روایات کے جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان پر تحقیقی نظر ڈالی جائے۔ ۹۔ سیرتِ نبوی ﷺ کے مآخذ اور اس موضوع پر اب تک کے علمی کاموں پر کسی قدر ناقدانہ نظر ڈالی جائے۔ ۱۰۔ اُردو زبان میں سیرت نگاری کا تحقیقی جائزہ۔ ۱۱۔ ساتھ کے ساتھ متعدد اہم نقشوں کی تیاری مدِ نظر رہے جن کو سامنے رکھنے سے واقعات زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اس میدان میں کچھ نہ کچھ کام۔۔۔ اور خاصا قیمتی کام۔۔۔ ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ اسے اور آگے بڑھایا جائے۔ بعید نہیں محسنِ انسانیّت ﷺ کی سیرت اور تحریک اسلامی کے پورے تاریخی دَور کے متعلق ایک مستقل اٹلس مرتب ہو جائے۔ کتاب میں شامل ہونے والی متفرق معلومات کو ایک بڑی دیواری نقشۂ سیرت میں یکجا کر دینے کی حسرت بھی ہے۔

اس کتاب کے تراجم کم از کم انگریزی، عربی، بنگلہ اور ہندی میں کرنے کی تمنّا ہے اس طرح اس کا دائرہ اثر وسیع ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان ارادوں کو جامۂ عمل پہنانے کی راہ نکالے اور اس عظیم کام کے لیے جن حالات و اسباب کی ضرورت ہے وہ اپنے خزانۂ رحمت سے بہم پہنچائے۔ آمین"[۱۱]

سیرت نگار مقالات لکھتے ہوئے موجودہ مسائل اور ان کا حل سیرت محمد رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں پیش کریں۔ تاکہ انسان اپنے مسائل حل کرنے میں رہنمائی لے سکے۔ بے چین بے سکون زندگی میں امن و آشتی آجائے۔

وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سیرت ﷺ سے بہتر کوئی ہتھیار نہیں۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ششماہی مجلہ "شاہد انٹرنیشنل" اسی اصول پر کاربند ہے۔ آنے والے شمارے موجودہ مسائل کا حل سیرت ﷺ کی روشنی میں پیش کریں گے۔

مدیر اور ان کے معاون، مجلہ شاہد کو ایک معیاری مجلہ کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لوازمہ کے انتخاب میں خوب محنت کر رہے ہیں۔ یہ اپنے انتخابی مضامین کے اعتبار سے ایک منفرد اور شناخت بنالے گا۔

ڈاکٹر دلاور خان نے اداریہ خوب لکھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے مزید لکھنا ہے۔ اس کا مکمل جائزہ اور تجاویز بھی پیش کی جائیں گی۔

بچوں کے حوالے سے ام سلمٰی کا مقالہ بہت اچھا اور معلوماتی ہے۔ مزید مطالعہ بھی آنا چاہیے۔

ماہر القادریؒ نے بچوں کے لیے ایک کتاب "آخری رسول ﷺ کے نام سے لکھی جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ کاش کوئی اس کو دوبارہ شائع کردے۔۱۲؎ ماہر القادریؒ نے اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک کو بہت سادہ اور عام فہم زبان میں لکھا ہے۔ ام سلمیٰ نے اس کتاب کا ذکر اپنے مقالے میں شامل نہیں کیا۔ اسی طرح ماہر القادریؒ نے جوانوں کے لیے سیرتِ طیبہ ﷺ پر ایک کتاب ناول کے انداز میں لکھی جس کا نام درِ یتیم ﷺ ہے۔ جو انیس سو انچاس عیسوی میں شائع کی گئی۔"۱۳؎

ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی طرح باقی زبانوں میں کام کرنے والے سیرت نگار بھی حاصل مطالعہ پیش کریں تو بہت فائدہ ہوگا۔ سیرت نگاروں سے گزارش ہے کہ مقالوں میں بڑی اور نمائندہ کتب "بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث دیگر مکتب فکر" کا تذکرہ اور جائزہ ضرور شامل کیجیے گا۔ مقالے میں تکرار کو جگہ نہ دیں تو بہتر ہے۔ البتہ قرآن اور آحادیث نبوی ﷺ کا اندراج کرنا ضروری ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ سیرتِ پاک ﷺ کی روشنی میں فتنوں سیکولرازم، لبرل ازم اور لالچ کا توڑ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اب یہ فتنہ مسلمانوں میں بڑھ رہا ہے۔ جس سے بدعملی اور انتشار زوروں پر ہے۔

مجلّہ میں زیادہ مقالات اردو میں، انگریزی، فارسی اور عربی میں ایک ایک یا دو دو مقالات شامل کیے جائیں۔ فارسی اور عربی کو انگریزی کے مقابلے زیادہ اہمیت دی جائے تو بہتر ہے۔ مستشرقین اور مستغربین کے لگائے ہوئے الزامات کا جواب اور اُن کی علمی و تاریخی بد دیانتی کا جواب دینا بہت ضروری ہے۔ مجلہ میں صفحات پر گنتی کے عدد اُردو حصہ پر اُردو میں، فارسی، عربی اور انگریزی حصوں میں فارسی، عربی اور انگریزی میں لکھے جائیں۔ کئی دہائیوں پہلے ہمارے ہاں یہ رواج تھا کہ کتابوں اور رسالوں میں مشکل الفاظ کے معانی فرہنگ کے عنوان سے دیے جاتے تھے اس کا بھی اہتمام ہو سکے تو قارئین کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔

ششماہی "شاہد" انٹرنیشل کے موئسس و مدیر ممتاز دانشور اور ماہر تعلیم پروفیسر دلاور خان صاحب ہیں۔ جبکہ مجلس ادارت و مشاورت میں شامل اندورن و بیرون ملک کے نامور دانشور ماہر تعلیم ادیب اور محقق محتاج تعارف نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا شکریہ انہوں نے یہ قیمتی مجلہ عنایت کیا اللہ انہیں اجرِ کثیر عطا فرمائے آمین!

حوالہ جات و تعلیقات

۱۔ جمالُ القُرآن تَرجمہ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ، ناشر ضیاالقرآن پَبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور، ضخامت ۹۷۷ صفحات، صفحہ ۶۸۵۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۸۸۷۔

۳۔ ایضاً صفحہ ۱۶۴، ۱۶۳۔

۴۔ راہِ عمل از مولانا جلیل احسنؒ ندویؒ ضخامت ۳۷۴ صفحات ، ناشر اسلامک پبلیکیشنز پرئیویٹ لمیٹڈ ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور، اشاعت ترپین فروری ۲۰۰۰ء، صفحہ ۳۳۔

۵۔ راہِ عمل ایضاً صفحہ ۳۲۔

۶۔ جمال القرآن ایضاً صفحہ ۱۲۹۔

۷۔ جمال القرآن ایضاً صفحہ ۸۸۹۔

۸۔ تفہیم القرآن جلد پنجم مفسر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ ، ناشر سروسز بک کلب، اشاعت ۱۹۹۳ء، ضخامت ۶۷۵ صفحات، صفحہ ۴۸۷۔

۹۔ گلدستہ حدیث از مولانا محمد یوسف اصلاحی، ضخامت ۱۲۶ صفحات، ناشر البدر پبلی کیشنز اُردو بازار لاہور، صفحہ ۲۴۔

۱۰۔ جمال القرآن ایضاً صفحہ ۸۸۸۔

۱۱۔ نعیم صدیقی ”محسنِ انسانیّت ﷺ“، ضخامت ۶۷۲ صفحات ، ناشر الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب اُردو بازار لاہور ، اشاعت، سینتیسواں جولائی ۲۰۰۵ء، صفحہ ۶۳۳، ۶۳۲۔

۱۲۔ آخری رسول ﷺ تالیف ماہر القادریؒ ضخامت ۱۰۴ صفحات ۔ مکتبہ علمیہ ۔ چار مینار حیدر آباد دکن۔ سن اشاعت ۱۹۳۲ء ، تبصرہ ، ماہنامہ ترجمان القرآن بابت جمادی الاخریٰ و رجب ۱۳۵۶ھ ، بحوالہ ادبیاتِ مودودیؒ مرتّبہ پروفیسر خورشید احمد ، ضخامت ۷۴۴ صفحات ، اشاعت اوّل دسمبر ۱۹۷۲ء ، ناشر : اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور، صفحہ ۳۷۲۔

۱۳۔ دُرِ یتیم ﷺ مؤلف ماہر القادریؒ، ضخامت ۲۵۶ صفحات، اشاعت اوّل ۱۹۴۹ء، ناشر : عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور۔ بحوالہ: ماہر القادری حیات و خدمات از ڈاکٹر عبد الغنی فاروق ، ضخامت ۵۰۷ صفحات، ناشر ادارہ معارفِ اسلامی منصورہ لاہور، اشاعت اوّل اپریل ۲۰۰۲ء، صفحہ ۵۰۶۔

International Advisory Board

Dr. Nargis Jabri Nasab(Tehran)

Dr.Aleem Ashraf (India)

Dr. Rizwan Fazal-ur Rehman(Madina)

Dr. Halil Toker (Turkey)

Dr. Ahmad (Madina)

Dr. Ghulam Zarqani (USA)

Dr. Muhammad Hussain Tasbihe (Iran)

Dr.Shah Kawthar Mustafa (Bangladesh)

Dr.Sheikh Salim Alwan Al-Husainyy(Australia)

Muhammad Masood Ahemad Suharwardi Ashrafi (U.S.A)

National Advisory Board

Dr. Saleem Mazhar
(University of The Punjab)

Dr. Muhammad Akram Rana
(Minhaj University, Lahore)

Dr.Muhammad Sohail Shafiq
(Karachi University)

Dr. Humayun Abbass Shams
(G.C University Faisalabad)

Dr. Mumtaz Ahmed Sadidi
(Minhaj University Lahore)

Dr. Tanzeem ul Firdaus
(Karachi University)

Dr. Muhammad Kamran
(Govt Degree College, Gulshan Iqbal)

Dr.Ismail Badayuni
(Superior College Shah Faisal Colony)

Dr.Muhammad Hassan Imam
(Federal Urdu University)

Dr. Muhammad Tufail Hashmi
(HITEC University Islamabad)

Dr. Mujeeb Ahmed
(International Islami University)

Dr. Syed Attaullah Bukhari
(SZAB, University of Law, Karachi)

Dr. Saleem Mazhar
(Punjab University Lahore)

Dr. M. Meharban Barvi Shami
(Federal Urdu University)

Dr. Mahmood Alam Aasi
(Allama Iqbal University, Karachi Region Visiting Faculty)

Name of the Journal:	Shahid Research Journal
Editor Name:	Prof. Dr. Dilawar Khan
Pages:	
Issue No:	19, January – June 2024
Volume No:	10
Price: (single Copy)	Rs. 300/=, $. 15/=
Publisher:	Shahid Research Foundation.

This Journal has been indexed in following international Agencies

(1)Journal Index (2) Directory of Research journal Indexing (3)Directory of abstract and Indexing for Journal (4) Cosmos Impact factor

Note:

Views expressed in the articles of this journal are of authors and do not reflect the views of Advisory/ Editorial board of the Shahid Research Journal.

Shahid Research Foundation

C-327/3, Block no 1, Gulistan e Johar, Karachi.
Cell no: 0322-2413267, 0333-2177442.
Email: prof.dilawarkhan@gmail.com

Shahid Research Journal

January-June 2024, Volume: 10, Issue: 19,

Patron in-chief:

Prof. Dr. Abdul Jabbar Qureshi

Ex-Chairman: Department of Islamic Studies
Federal Urdu University Karachi

Editor:

Prof. Dilawar khan

Principal: Govt College Education,
Education City Malir Karachi

Sub Editor:

Dr. Fayaz Shaheen

Lecturer: Hamdard University,
Karachi

Shahid Research Foundation Pakistan

C-327/3, Block No 1, Gulistan –e-Johar Karachi
Call No: 0322-2413267, Email: prof.dilawarkhan@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا

ISSN: 2411-0949

SHAHID INTL RESEARCH JOURNAL

BLIND PEER REVIEWED JOURNAL BI-ANNUAL

VOLUME#10,ISSUE NO:19

JANUARY TO JUNE 2024

FOUNDER EDITOR:

PROF. DR. DILAWAR KHAN

SHAHID RESEARCH FOUNDATION
PAKISTAN

E-mail: prof.dilawarkhan@gmail.com